ماہنامہ

# قلندرِ شعور

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

جولائی ۲۰۱۹ء

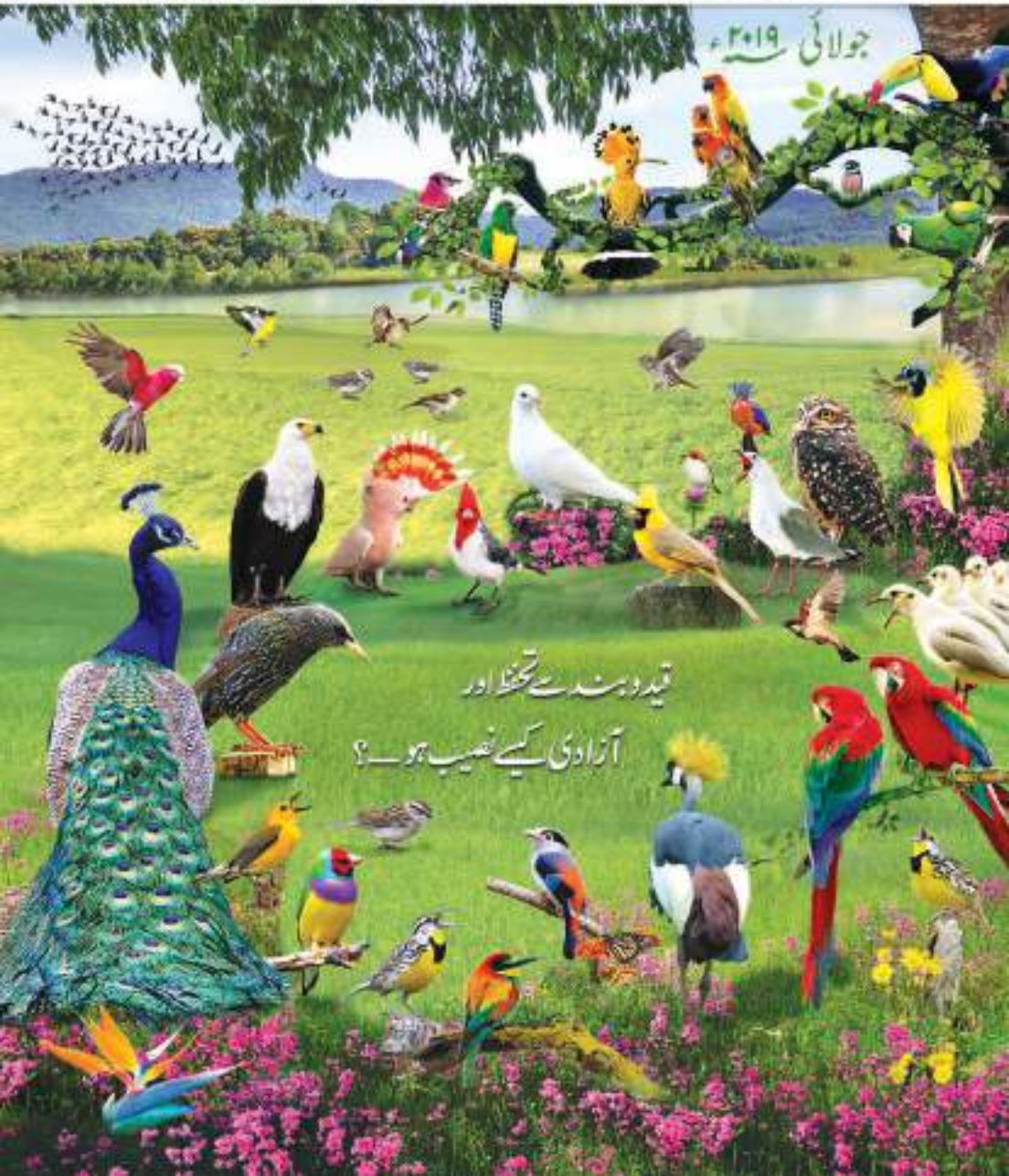

جلد 7 شمارہ 6 | جولائی 2019ء | شوال ــ ذیقعد 1440ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ شعور کراچی

# قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 70 روپے..... سالانہ ہدیہ 950 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 60 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 213 (0) 92+

# ۳۵ مضامین کا گُل دان


| | | |
|---|---|---|
| حمد باری تعالیٰ | شہزاد مجددی | 10 |
| نعت رسول مقبول ﷺ | ڈاکٹر ابراہیم خلیل شیخ | 11 |
| رباعیات | ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ | 12 |
| آج کی بات | مدیر مسئول | 14 |
| فقیر کی ڈاک | ادارہ | 18 |
| نامے میرے نام | خانوادہ سلسلہ عظیمیہ | 20 |
| مفروضہ حواس ــــ؟ | حامد ابراہیم (M.A-Fine Arts) | 25 |
| پیرا سائیکالوجی ــ مسائل کا حل | خواجہ ایس عظیمی | 31 |
| بچہ نے گٹھلی میں کیا دیکھا | احمد نواز (M.Ed.) | 35 |
| پورب کے ہم زاد | محمد عدنان خان (M.Sc-Applied Physics) | 41 |
| کونسلنگ اور ..... | ڈاکٹر عمران خان UK (Ph.D.) | 47 |
| موئن جودڑو | فضل حق قریشی | 53 |
| توانائی کا اسراف ــ غصہ | گلِ نسرین | 61 |
| کرکٹرانہ صلاحیت | عابد محمود | 67 |
| صبغۃ اللہ ــ اللہ کا رنگ | محمد علی ضیا (M.A-Economics) | 75 |
| باطن کی تسبیح | تالیف: قرۃ العین واسطی (M.A-Mass Comm.) | 79 |
| تقدیر معلّق ــ تقدیر مُبرم | سید اسد علی (MBA) | 85 |

جینا مرنا اور جینا ایک ہی بات ہے ڈاکٹر سید امجد علی جعفری 91

آزادی کے متوالے نیّر اعظم 95

یقین کا پیٹرن سمیرا آفتاب (M.A-IR) 101

مرشد کی باتیں عائشہ خان (M.A-Mass Comm.) 103

شرم وحیا (متحدہ عرب امارات) ثمرین سعد 109

اپریل 2019ء کے سرورق کی تشریح قارئین 113

بھان متی اشرف صبوحی 117

اقتباسات قارئین 123

اللہ میاں کے باغ کے پھول

اولی الالباب بچے ادارہ 125

شہد کی مکھی نمرہ اقبال 127

گھر میں برکت حسن زمان 132

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر عظیمی خواجہ شمس الدین 135

The Universe is Light Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) 146

Hazrat Luqman (PBUH) Extracted 151

The Door to Blessings Qurat al-Ain 158

A Roll of Dice Muhammad Mohsin 163

Vision Bibi Anuradha (UAE) 167

Message of the Day K. S. Azeemi 172

شہزآد مجددی

# حمد باری تعالیٰ

تو خالق و عظیم ہے ایاک نستعین
تو قادر و کریم ہے ایاک نستعین

ہم غرق معصیت ہیں مگر اے غفور تو
ہر حال میں رحیم ہے ایاک نستعین

تو مبدی و معید ہے قیوم و ذوالجلال
سبحان ہے علیم ہے ایاک نستعین

فانی ہر ایک چیز ہے اس کائنات کی
تو باقی و قدیم ہے ایاک نستعین

فریاد رس ہے آدمؑ و نوحؑ و خلیلؑ کا
تو مرجع کلیمؑ ہے ایاک نستعین

انعام جن پہ تو نے کیا ان کا راستہ
بس راہِ مستقیم ہے ایاک نستعین

شہزآد کو حضورؐ کے صدقہ میں ہو نصیب
جو جنت نعیم ہے ایاک نستعین

ڈاکٹر ابراہیم خلیلؔ شیخ

# نعت رسول مقبول ﷺ

صبا یہ کیا آج لائی مژدہ کہ غنچہ غنچہ چٹک رہا ہے
کہیں پہ لہرا رہا ہے لالہ کہیں پہ سبزہ لہک رہا ہے

صدائے سبحان ربنا ہے کہیں پہ صلّ علیٰ کے نعرے
طیور تسبیح خواں کہیں ہیں کہیں پہ بلبل چہک رہا ہے

پکار طاؤس کی کہیں ہے، کہیں پہ ہے قمریوں کی کوکو
کہیں ہے نغمہ طراز طوطی کہیں گلِ تر مہک رہا ہے

کہیں ہے طٰہٰ کہیں ہے یٰسیں، کہیں مزمل کہیں مدثر
تمام قرآں میں مثل خورشید نام احمدؐ چمک رہا ہے

مریضِ درد فراق ہوں میں، نہ طاقت انتظار ہے اب
دکھا دو دیدار خواب ہی میں کہ آنکھوں میں دم اٹک رہا ہے

کمال احسان مجھ پہ ہوگا اگر بلالو مدینے آقاؐ
تمہاری فرقت میں رات دن اب خلیلؔ خستہ بلک رہا ہے

صبا یہ کیا آج لائی مژدہ کہ غنچہ غنچہ چٹک رہا ہے
کہیں پہ لہرا رہا ہے لالہ کہیں پہ سبزہ لہک رہا ہے

# گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا

گم ہو گیا بس اس کے سوا کیا معلوم
کس سمت سے وہ نکل گیا کیا معلوم
ممکن نہیں اس تک ہو رسائی اپنی
جو وقت گیا، کہاں گیا کیا معلوم

''اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت سے تمہاری پیدائش کی ابتدا کی، پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (الروم:۵۴)

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی رباعیات میں یہ بات بہت زیادہ وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ ہماری دنیا ٹوٹنے بکھرنے اور بے وجود ہونے کے لئے ہے۔ ہر آدمی ٹوٹ رہا ہے، بکھر رہا ہے اور اس کا وجود مٹی کے ذرّات میں تبدیل ہو رہا ہے مگر اسے کچھ پتہ نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ بچپن بکھرا، جوانی آئی، جوانی بکھری، بڑھاپا آیا، بڑھاپا بکھرا — آدمی نابود ہو گیا۔ ''جو جا کر نہ آئی وہ جوانی دیکھی، جو آ کے نہ گیا وہ بڑھاپا دیکھا'' کے مصداق آدمی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

زندگی کے آثار و احوال کا محاسبہ کرتے ہیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ زندگی دراصل وقت ہے — ہم پوری زندگی وقت ہی میں گزارتے ہیں۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ ''**وقت کی قدر کرو، گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا**''۔

جو وقت ہم کارآمد گزارتے ہیں وہ زندگی کا حاصل ہے اور جو وقت ہم ضائع کر رہے ہیں وہ لاحاصل عمل ہے۔

وقت کے بارے میں اگر آدمی کو علم ہو جائے تو اس کے اوپر علم کے ایسے بے شمار دروازے کھل جاتے ہیں جن میں سے وہ کسی ایک دروازہ میں داخل ہو کر یہ معلوم کر لیتا ہے کہ وہ آتا کہاں سے ہے اور جاتا کہاں ہے — آتا کیوں ہے اور نہ چاہنے کے باوجود چلا کیوں جاتا ہے۔

وقت کا علم رکھنے والا تخلیق کے راز سے واقف ہو جاتا ہے۔ وہ سمتوں کے گرداب میں نہیں پھنستا۔ جب کوئی بندہ تخلیقی راز سے واقف ہو جاتا ہے تو اپنا عرفان حاصل کر لیتا ہے۔ عرفان ہی انسان کو خالق کائنات سے قریب کرتا ہے۔ دراصل خالق کائنات اللہ عزوجل کی قربت ہی علم و آگہی ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''وقت میں میرا اور اللہ کا ساتھ ہے۔''

وقت (time) اللہ کا نور ہے اور مکان (space) اللہ کی تخلیق ہے۔

# آج کی بات

خالق واحد احد اور مخلوق کثرت ہے۔ کثرت میں ہونے کے باوجود مخلوقات میں تصادم نہیں اس لئے کہ ہر مخلوق کی مقدار مقرر ہے اور بنانے والا ایک ہے۔ مقداروں کے تعین سے ایک شے دوسری شے میں داخل ہو کر بھی منفرد رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔'' (اٰل عمران: ۲۷)

رات، دن، زندگی اور موت ــــ نظامِ کائنات کے بنیادی ستون ہیں۔

رات اور دن حواس ہیں جب کہ زندگی اور موت کی تعریف ایک حرکت کا دوسری حرکت میں، ایک دور کا دوسرے دور میں اور ایک عالم کا دوسرے عالم میں منتقل ہونا ہے۔ زندگی دوسرے عالم میں منتقل ہونے سے، پہلے عالم میں ڈائی مینشن (لباس، خدوخال) نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے لیکن فرد کا ریکارڈ موجود ہے۔

رات لاشعور اور دن شعور ہے۔ لاشعور میں روشنی منفی درجہ میں رہتی ہے، دن میں مثبت درجہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ منفی سے مراد اسپیس کا سمٹنا ہے جب کہ مثبت میں اسپیس پھیلتی ہے۔ رات دن اور دن رات بنتا ہے، کبھی شعور مغلوب ہوتا ہے اور کبھی لاشعور پردہ میں رہتا ہے، مثبت منفی میں داخل ہوتا ہے اور منفی مثبت بن جاتا ہے۔ اس طرح زندگی آگے بڑھتی ہے اور وقت اور فاصلہ زیرِ بحث آتا ہے۔ غالب مغلوب ہوتے وقت جس مقام پر یہ عناصر ملتے ہیں، وہ نیوٹرل ہے۔ **نیوٹرل ایسا نقطہ ہے جہاں منفی اور مثبت چارج ایک ہیں۔**

قارئین! انفرادی اور اجتماعی طور پر خط کشیدہ جملہ پر تفکر کیجئے۔

مثبت میں حواس تقسیم ہوتے ہیں، تقسیم کے معنی ایک شے کا کثرت میں ہونا ہے۔ منفی میں کثرت کی نفی ہوتی ہے اور حواس ایک نقطۂ ذہنی بن جاتے ہیں۔ اس کی مثال خواب اور بیداری ہے۔ خواب کی دنیا بتاتی ہے کہ بیداری میں حواس کی تقسیم مفروضہ ہے ــــ فرد دونوں حالتوں میں اندر کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

• • ——————— • •

بنیادی حواس پانچ ہیں جن سے آدمی واقف ہے لیکن ناواقفیت اس لئے ہے کہ فرد نہیں جانتا بظاہر حواس پانچ میں تقسیم ہو کر بھی باطن میں ایک ہیں۔

**توجیہ:** سننے کی حس کام نہ کرے تو نظر کا زاویہ نہیں بنتا، شے کی فہم نہیں ملتی، ہمیں محسوس نہیں ہوتی اور آواز نہ سننے کی وجہ سے فرد بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ آپ کہیں کہ کیا ہوا اگر وہ سن نہیں سکتا، ہاتھ لگا کر محسوس کر لے گا یا دیکھ کر فہم حاصل ہو جائے گی۔ جواب یہ ہے کہ سننے کی حقیقت صرف کانوں سے سننا نہیں ــــ اندر میں آواز کی گونجار بتاتی اور دکھاتی ہے کہ ہم کیا سن رہے ہیں اور کیا دیکھ رہے ہیں۔ فرد آواز سن کر تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے خیال کی راہ نمائی پر چلتا ہے، خیال آواز ہے۔ بتانا یہ ہے کہ پانچ بنیادی ڈائی مینشن دراصل ایک حس میں موجود ہیں جس کو سماعت یا آواز کہا جاتا ہے۔

سماعت ــــ لہروں کا ذہن کی اسکرین پر بکھرنا ہے۔ درحقیقت یہی عمل دیکھنا، سمجھنا، محسوس کرنا اور بولنا ہے۔

• • ——————— • •

لاشعور (منفی) میں ڈائی مینشن مغلوب اور شعور (مثبت) میں غالب ہیں۔ مغلوب ہونے سے خدوخال ختم نہیں ہوتے ــــ بنیاد غالب ہوتی ہے۔ بنیاد کیا ہے ــــ؟

زمین ایک ہے مگر تعمیرات (ڈائی مینشن) سے مختلف نظر آتی ہے۔ کہیں تعمیر پہاڑوں

کی شکل میں ہے، کہیں میدانی علاقہ اور ہرے بھرے میدان ہیں، کہیں باغات اور کھیت کھلیان ہیں، کہیں دلدل ہے، کہیں خشک اور پتھریلی زمین ہے، کہیں بلند و بالا عمارتیں اور چھوٹے بڑے مکانات ہیں اور کہیں زمین پر سمندر ہے۔

عمارت کوئی بھی ہو، تعمیر سے پہلے مضبوطی کے لئے مخصوص رقبہ پر بھرائی کر کے سطح ہموار کی جاتی ہے۔ اگر فرد خود کو دیکھے بغیر ہموار سطح کو دیکھے تو آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر نیچے کا فرق مٹ جاتا ہے۔

**تجربہ:** کھلے میدان میں کھڑے ہو کر زمین کی طرف نظر جمائیں۔ جب تک ذہن میں اپنا آپ رہے گا، آپ کو زمین پر سمتیں نظر آئیں گی۔ ذہن خود پر سے ہٹنے سے بشمول زمین کے سمتوں پر پردہ آجائے گا۔

••——————••

مٹھاس اور نمک دو ڈائی مینشن ہیں جو شعور اور لاشعور میں توازن کے لئے ضروری ہیں۔ یہ نظر نہیں آتیں جب کہ مقدار کم ہونے پر محسوس ہوتی ہیں اور ایک دوسرے میں موجود ہیں ورنہ مٹھاس کو مٹھاس اور نمک کو نمک نہیں کہہ سکتے۔ نمک اور مٹھاس دونوں اطلاع ہیں۔ نمک کی اطلاع نہ ملے تو مٹھاس کی اطلاع بھی ختم ہو جائے گی۔

آدمی پر مثبت چارج غالب ہے اور نمک شعوری اعتبار سے منفی چارج ہے۔ منفی چارج سے واقف ہونے کا مطلب شعور سے الگ چیز سے واقف ہونا ہے اس لئے نمک کی مقدار میں اضافہ سے شعور پر دباؤ بڑھتا ہے اور لاشعور کا غلبہ ہوتا ہے۔ اگر استاد کی راہ نمائی کے بغیر نمک کی مقدار بڑھ جائے تو شعور متاثر ہوتا ہے۔

مٹھاس ثقل (gravity) کو بیلنس رکھتا ہے اور نمک سے گریویٹی کم ہوتی ہے۔

جسم میں دونوں کی مقرر مقداروں کا ہونا ضروری ہے۔ جب شعور میں نمک کی زیادتی اور کمی کو برداشت کرنے کی سکت نہ ہو تو ہائی یا لو بلڈ پریشر لاحق ہوتا ہے۔

اس دنیا میں جو اجزا ہماری غذا بنتے ہیں اس میں نمک کی مقدار مٹھاس کے مقابلہ میں کم ہے۔ نمک کی خصوصیات میں لاشعوری کیفیات کا غلبہ ہے ـــ مقدار میں اضافہ سے شعور دباؤ محسوس کرتا ہے یعنی شعور کی مقداریں کم ہو کر لاشعور کی مقداروں سے جا ملتی ہیں اور اس کے لئے جسم تیار نہیں ہے۔ کیوں کہ جسم ڈائی مینشن سے واقف ہے اور نمک ڈائی مینشن میں رہتے ہوئے ڈائی مینشن سے آزاد ہے۔

• • ———————— • •

چیزوں کو سمتوں میں دیکھنے کی وجہ فرد کا خود ڈائی مینشن میں ہونا ہے۔ اس لئے کہ سمتیں زمین میں نہیں ـــ ذہن میں ہیں۔ زمین میں شے کی بنیاد بھی ہے، وہ نظر کیوں نہیں آتی ـــ؟ ذہن بنیاد کے بجائے ڈائی مینشن سے واقف ہے اور ہم ذہن کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔

ایک حس کو پانچ میں تقسیم کر کے حالات و واقعات کو دیکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ فرد خود کو دیگر افراد سے اور حواس کو ایک دوسرے سے الگ سمجھتا ہے۔ دیکھنے کے عمل پر غور کیا جائے تو انکشاف ہوتا ہے کہ کوئی شے اس وقت نظر آتی ہے جب ہم اپنی ڈائی مینشن کی نفی کر کے دوسری شے کی ڈائی مینشن میں داخل ہوں۔ یعنی لباس کے فرق سے قطع نظر دونوں اجسام میں نور موجود ہے جس سے واقف ہو کر فرد مادی ڈائی مینشن سے آزاد ہونے کے فارمولے سے واقف ہو سکتا ہے۔

اللہ حافظ

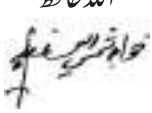



★ آخری جملہ کو پانچ مرتبہ غور سے پڑھئے۔

# فقیر کی ڈاک

تفکر ــــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور و فکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ــــ عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ماضی کے اوراق میں سے ایک خط پیش خدمت ہے۔

---

محترم عظیمی صاحب ــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

روحانی سلاسل میں تصور شیخ کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تصور شیخ کیا ہے، کیسے کرتے ہیں اور اس کے فوائد کیا ہیں ــــ؟ میں نے پڑھا ہے کہ تصور شیخ سے علوم منتقل ہوتے ہیں اور ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ توجیہ بیان کر دیں تو نوازش ہوگی۔ شکریہ۔ تصدق حسین

عزیزی تصدق حسین صاحب ــــ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

آپ نے تصور شیخ کے بارے میں پوچھا ہے۔ تصور کی صحیح تعریف سمجھنے کے لئے دو بنیادی باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی یہ کہ کسی چیز کی معنویت اور حقیقت ہمارے اوپر اس وقت آشکار ہوتی ہے جب ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کوئی چیز ہمارے سامنے ہے لیکن ذہنی طور پر ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ چیز ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ مثلاً ہم گھر سے نکلتے ہیں کہ ہمیں دفتر جا کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں۔ اگر دفتر پہنچنے کے بعد کوئی پوچھے کہ آپ نے راستہ میں کیا کیا چیزیں دیکھیں تو ہم کہیں گے کہ ہم نے دھیان نہیں دیا حالاں کہ یہ ساری چیزیں نظروں کے سامنے سے گزری ہیں۔

دوسری اہم بات دل چسپی اور ذوق وشوق ہے۔ ہم کوئی دل چسپ کتاب پڑھتے ہیں تو وقت کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس کوئی غیر دل چسپ مضمون پڑھ کر چند منٹ میں ذہن بوجھ اور کوفت محسوس کرنے لگتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ ذہنی مرکزیت کے ساتھ ساتھ اگر دل چسپی اور ذوق وشوق ہو تو کام آسان ہو جاتا ہے۔

مراقبہ یا تصور کی مشقوں سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صاحبِ مشق جب بھی آنکھیں بند کر کے تصور کرے تو اسے خود سے اور ماحول سے بے نیاز ہو جانا چاہئے۔ اتنا بے نیاز کہ اس کے اوپر سے بتدریج ٹائم اور اسپیس کی گرفت ٹوٹ جائے یعنی اس تصور میں اتنا انہماک ہو جائے کہ وقت گزرنے کا احساس نہ رہے اور ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ہم کسی ایک تصور یا خیال میں بے خیال ہو جاتے ہیں۔ بے خیال ہو جانے کا مطلب ہے ہم صرف ایک خیال میں یک سو ہو جاتے ہیں اور ہمیں کوئی دوسرا خیال نہیں آتا۔

یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اگر آپ نور کا تصور کر رہے ہیں تو آنکھیں بند کر کے کسی خاص روشنی کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں بلکہ صرف نور کی طرف دھیان قائم کریں۔ نور جو کچھ ہے اور جس طرح ہے از خود آپ کے سامنے آجائے گا۔ اصل مدعا کسی ایک طرف دھیان کر کے ذہنی یک سوئی حاصل کرنا ہے۔

اس کے بعد باطنی علم خود بخود کڑی در کڑی ذہن پر منکشف ہونے لگتا ہے۔ تصور کا مطلب اس بات سے کافی حد تک پورا ہو جاتا ہے کہ ''کسی ایک خیال میں بے خیال ہونا۔''

اگر ہم کھلی یا بند آنکھوں سے کسی چیز کا تصور کرتے ہیں اور تصور میں خیالی تصویر بنا کر اسے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ عمل ذہنی یک سوئی کے دائرہ میں نہیں آتا۔ ذہنی یک سوئی سے مراد یہ ہے کہ آدمی شعوری طور پر دیکھنے اور سننے کے عمل سے بے خبر ہو جائے۔

دعا گو، عظیمی (22 جون 1987ء)

### آدھا گھنٹا ــــ؟

جب آپ روحانیت سیکھنے جاتے ہیں تو آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔ بارہ گھنٹے پندرہ گھنٹے تو چھوڑیئے آپ کے پاس تو بیس منٹ کا وقت نہیں۔ بہت زیادہ ہوا رات کو سونے سے پہلے روحانیت سیکھنے کے لئے آپ آدھا گھنٹا آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔ بارہ گھنٹے روزانہ پڑھ کر آپ نے جو شعور حاصل کیا اس کے برعکس روحانی شعور آپ آدھے گھنٹے میں کیسے بیدار کر سکتے ہیں؟ اس میں کون سی ایسی سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ ایک علم آپ بارہ گھنٹے پڑھ کر سیکھتے ہیں، ایک علم آپ پندرہ منٹ خرچ کر کے پڑھتے ہیں۔ حساب لگائیے آدھا گھنٹا پڑھ کر آپ کو وہ علم کتنے سال میں حاصل ہوگا؟ (کتاب: خطبات ملتان)

# نامے میرے نام

خواتین وحضرات قارئین ـــ السلام علیکم، ذہن میں ''ماہنامہ قلندرشعور'' کے مطالعہ کے بعد کوئی ایسا خیال آتا ہے جس کا جواب نہ ملنے سے تشنگی بڑھ جاتی ہے۔ آپ لکھئے ـــ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ انشاءاللہ جواب شائع کیا جائے گا۔

---

**مئی 2019ء کے ''آج کی بات'' پر موصول ہونے والے تفکر میں سے منتخب خطوط پیش خدمت ہیں:**

۱۔ **صائمہ نصیر (فیصل آباد):** ٹائم، اسپیس، حواس اور مقداروں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خالص اللہ کے لئے روزے رکھ کر حواس کی رفتار 60 ہزار گنا بڑھ جاتی ہے اور بندہ بیداری میں رہتے ہوئے رات کے حواس میں سفر کرتا ہے۔ لطافت بڑھنے سے دور اور قریب کا فرق ـــ دور ہوتا ہے اور نگاہ ان مناظر کو دیکھتی ہے جن کو ہم غیب سمجھتے ہیں۔

۲۔ **عمیمہ صادق (کراچی):** رات اور دن وقت کو پڑھنے کی دو طرزیں ہیں اور یہ محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ سوال کیا گیا ہے کہ محور کیا ہے۔ جواب ہے کہ محور ـــ اللہ تعالیٰ کا امر ہے جس کے تحت کائنات قائم ہے۔

۳۔ **افشاں محسن (متحدہ عرب امارات):** ایک رات 82 سال کے برابر ہونے سے اسپیس سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ ہم ہر چیز اسپیس میں دیکھتے ہیں۔ جس اسپیس میں بندہ کو اللہ کی قربت محسوس ہو، وہ اسپیس حقیقی ہے۔

۴۔ **حمید فاروقی (اسلام آباد):** ہم ہر چیز تقسیم کر کے دیکھتے ہیں۔ اس کے بغیر بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً انچ ٹیپ کی پٹی ایک ہے لیکن اس میں درجنوں چھوٹی بڑی لکیریں اور ہر لکیر کے درمیان وقفہ ہے۔ ٹیپ پر سے نشانات ہٹا دیئے جائیں تو پیمائش نہیں ہوگی۔

۵۔ **رشنا صدیقی (برطانیہ):** لکھا ہے ''یک سوئی میں فہم کے مدارج کم ہوتے ہیں''۔ میں یہ سمجھی ہوں کہ ذہن جتنا تقسیم ہوگا اتنی اسپیس بنتی جائیں گی۔ یعنی اسپیس کی تقسیم ہر فرد کے لئے الگ ہے اور یہی الوژن ہے۔

۶۔ **عدنان امین (لاہور):** یہ بات کہ ''دوری کا تعین قربت سے ہے'' اپنی جگہ مکمل باب ہے۔ پھر تو یہاں

کوئی شے کسی سے دور نہیں۔ سب دوری کے ذریعے قربت بیان کر رہے ہیں۔ بیان کرنے کا طریقہ دوری ہے اس لئے ہم بے یقینی میں رہتے ہیں۔

۷۔ **عبدالحمید (سکھر)**: ''فاصلہ شے کا شے سے نہیں، شعوری فہم کا لاشعور سے ہے،'' میرے نزدیک یہ سطر اداریہ کا خلاصہ ہے۔ ہمارا شعور لاشعور کو دور سمجھتا ہے اس لئے ہم لاشعور سے دور ہیں۔

۸۔ **احمد زمان (کراچی)**: ہمیں کھربوں سیکنڈ کو ایک نظر میں دیکھنے کا تجربہ ہے۔ ماں بچہ کو دیکھتی ہے تو ذہن میں حمل قرار پانے سے لے کر موجودہ وقت کی ریل گھوم جاتی ہے۔ اسکول سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب ہم اس اسکول کے باہر سے گزرتے ہیں تو پہلی کلاس سے دسویں کلاس تک تصور میں آجاتی ہے۔ وجہ حافظہ سے ہمارا ربط ہے۔ اس دنیا سے پہلے کے مدارج ہمیں یاد نہیں کیوں کہ ہم ان کے بارے میں نہیں سوچتے۔

۹۔ **رفاقت حسین (کراچی)**: حواس طلوع اور غروب دونوں میں ہیں۔ طلوع میں حواس پھیلتے ہیں اور غروب میں نہیں پھیلتے۔ حواس کے پھیلاؤ کو دیکھنے کی عادت کی وجہ سے غروب کے وقت کو ہم اندھیرا کہتے ہیں۔

۱۰۔ **سلطانہ محمود (لودھراں)**: شب قدر کے حواس میں رہنے والا اللہ کے قرب کو محسوس کرتا ہے اس لئے امان میں ہے۔ دن کے حواس میں رہنے والے کو شوہر، بیگم، بچے، مال و دولت اور وسائل یعنی دنیا یاد ہوتی ہے۔

★ ——————— ★

**مئی 2019ء کے مضامین پر موصول ہونے والے تبصروں میں سے منتخب خطوط یہ ہیں:**

**عائشہ بسووا (روس)**: مادی دنیا اور اس کے فریب سے محفوظ رہتے ہوئے روحانیت میں ثابت قدمی سے آگے بڑھنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟

★ **بتایئے دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ الوژن ہے یا رئیلیٹی ــــ؟ الوژن کو چھوڑ دیں، رئیلیٹی اختیار کریں۔ ذہن شیطان کی طرف ہو تو شیطانی طرز عمل ــــ اور ذہن رحمٰن کی طرف ہو تو رحمانی صفات ہیں۔**

**ثریا بتول (لاہور)**: مضمون ''چپ کا روزہ'' پڑھنے کے بعد قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسے پورا سال رکھا جائے تو زندگی آسان ہو جائے۔ خاص کر ایک دوسرے سے لڑنے والے میاں بیوی فائدہ میں رہیں گے۔ خاموش رہنے سے برداشت پیدا ہوگی۔

**احمد شاہ (پشاور)**: ''ربا میرے حال دا محرم توں'' بہت توجہ سے پڑھنے والی تحریر ہے۔ تیز رفتاری کے سبب ٹھوس تغیرات کا ہیولیٰ کی شکل میں نظر آنا شعور کے لئے سوالیہ نشان ہے۔ چیزیں رفتار کم ہونے کی وجہ سے ٹھوس

نظر آتی ہیں۔ رفتار بڑھنے سے چیزوں کی ہیئت تبدیل ہونے پر علیحدہ سے مضمون شائع کیا جائے۔

**شاہدہ رحیم (ملتان):** مئی 2019ء میں صفحہ نمبر 45 پر پوچھے گئے سوال کا جواب یہ ہے کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے لیکن پانی کی حقیقت خلا ہے۔ پانی سے پیدا ہونے والی ہر چیز غیب حاضر کے پلیٹ فارم پر حرکت میں ہے۔

**بی بی ناہیدہ (کوئٹہ):** ''تین میں نہ تیرہ میں'' خیالات اور رجحانات کو پودوں کی تراش خراش سے تشبیہ دی گئی۔ اچھی تحریر ہے اور متوجہ کرتی ہے کہ غیر ضروری خیالات کو ذہن میں جگہ نہیں دینی چاہئے ورنہ ذہن کی نشوونما کے لئے توانائی ان کو مل جاتی ہے اور ذہن گھاس پھوس بن جاتا ہے۔

**عون رفیق (کراچی):** مئی کے شمارہ میں میرا تبصرہ شائع ہوا اس کے لئے مشکور ہوں۔ اسی شمارہ میں عابد محمود صاحب کے ''بلاعنوان'' نے کمال کر دیا۔ رمضان میں سحری کے بعد فجر کی نماز کے لئے ہمت نہ ہو تو لگتا ہے کہ شیطان بالوں کو سہلا رہا ہے۔ غصہ آنے پر مجھے خیال آتا ہے کہ وہ قہقہے لگا رہا ہوگا، جیسے مضمون کے مطابق بل جمع کرنے والے ایک صاحب کے غصہ سے شیطان کو کامیابی ملی۔ طنز و مزاح سے بھرپور اصلاحی تحریر ہے۔ بیگم نے کھانوں میں تیل کم کر دیا ہے اور افطاری کی فہرست میں تبدیلی کی ہے۔ بچے کہتے ہیں کہ اماں نے ''قلندر شعور'' میں مضمون پڑھ لیا ہے اس لئے اس بار افطاری کا وہ مزہ نہیں جو پچھلے سالوں میں تھا۔ ہم نے رمضان المبارک کو کھانے پینے کا مہینہ بنا کر خود کو عبادت سے دور کر دیا ہے۔

**ڈاکٹر فاران قریشی (کراچی):** ''فلسفہ ــــ عمر خیام'' میں یہ سطریں پورے مضمون کا نچوڑ ہیں، ''موجودات میں اشرف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہے اور مادیات میں اشرف وہ ہے جو اصل سے زیادہ دور ہے۔'' میں نے عمر خیام کی رباعیات پڑھی ہیں، خط پران کا جواب پڑھ کر شخصیت کے اس پہلو سے پہلی بار واقف ہوا۔ مضمون علمی، تاریخی اور ادبی ہے۔ اچھی تحریریں اور لکھنے والوں کے اچھے ذہن رسالہ کے لئے سرمایہ ہیں۔

**امداد شیخ (لاڑکانہ):** امید ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔ ''ماہنامہ قلندر شعور'' خوب صورت رسالہ ہے۔ میں اسے پڑھتا ہوں۔ اللہ آپ کو کامیابی عطا فرمائے، آمین۔

**رخسانہ تنویر (کراچی):** معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ مابعد النفسیات کا علم کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے اور کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ ★ جس طرح آپ دوسرے علم سیکھتی ہیں۔

**حیدر علی (گلگت):** ''پرندوں کا روزہ'' بڑوں اور بچوں کے لئے معلوماتی تحریر ہے۔ ایسے مضامین نصاب میں شامل ہونے چاہئیں۔

**بی بی ہاجرہ (کراچی):** میرے پاس الفاظ نہیں جس سے ''مرشد کی باتیں'' کی تعریف ہو سکے۔ یک سوئی

سے تین مرتبہ پڑھتی ہوں۔ مرشد نے مرید کو تفکر اور اصلاح نفس کی راہ دکھائی ہے جس سے پڑھنے والوں کے بھی ذہن کے دریچے کھلے ہیں۔ یقیناً یہ تحریر سالکینِ طریقت کے لئے راہ نما ہے۔

**آفاق احمد صدیقی (کراچی):** کچھ عرصہ سے ذہن میں سوالات ہیں۔ اصلاح اور راہ نمائی کا طلب گار ہوں۔ اللہ کے حکم سے کائنات ظاہر ہوئی۔ جو چیز ظاہر ہوگئی پھر اس میں غیب کیا ہے؟ تفکر میں یہ بات آتی ہے کہ کائنات کے علاوہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ہے اصل میں وہ غیب ہے، یہ کائنات تو ظاہر ہے۔

★ **آپ کا جواب درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ''اور وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔'' (الکھف: ۶۵)**

**نور خالق (چشمہ):** بچوں کی کہانی ''غبارے'' پر مذاکرہ میں 11 بچوں نے شرکت کی۔ تلاوت کے بعد مرتبۂ احسان کا مراقبہ کیا گیا۔ پھر کہانی پڑھی اور تفکر ہوا۔ کہانی کو اپنی زندگی سے منسوب کر کے سمجھا۔ سوالات اور بچوں کے جوابات یہ ہیں۔ ★ س: جس طرح غباروں کی ڈور ہوتی ہے، ہماری ڈور کون سی ہے؟ (ج: ہماری ڈور اطلاع ہے، زندگی اطلاع کے تابع ہے۔) ★ س: غبارے اڑنے سے پہلے پچکے ہوئے اور بے جان تھے۔ (ج: آدم مٹی کا پتلا تھا۔ پتلے میں روح پھونکی گئی اور علم الاسما عطا کئے گئے تو یہ اشرف المخلوقات بنا۔) ★ س: غباروں سے رونق ہوگئی، اس میں کمال غباروں کا نہیں بلکہ پھونک کا تھا جس نے غبارہ کے اندر رنگوں کو نمایاں کیا۔ (ج: روح نکل جائے تو مخلوق کچھ نہیں کر سکتی۔) ★ س: پھونک نکلی تو غبارہ کی صورت غائب ہوگئی۔ (ج: روح نکلتی ہے تو جسم مٹی بن جاتا ہے۔ ہم اس دنیا سے غائب ہو کر دوسری دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔) ★ س: بھائی غبارہ کا وزن زیادہ تھا اس لئے وہ اونچا نہیں اڑ سکتے تھے۔ وہ ناراض ہوئے اور مزید پھول گئے۔ (ج: انسان کا مقصد اللہ کی پہچان ہے۔ بری عادات سے وزن یعنی ثقل بڑھتا ہے اور بندہ منزل سے دور ہو جاتا ہے۔) مذاکرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ روح سے واقف ہونے کے لئے سب سے پہلے یقین ہو کہ مادی جسم اصل نہیں۔ اللہ کے بندے ایسے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے یقین میں یہ بات داخل ہوگئی کہ جو کچھ ہے اللہ کی طرف سے ہے۔

**احمد محی الدین۔ جماعت ہفتم (میانوالی):** ذہین زبیر کی کہانی ''گہرائی میں سوچئے'' پر غور و فکر کیا تو سمجھ میں آیا کہ احمد اپنے گھر میں ہے، اس کے لئے عبداللہ کا گھر غیب ہے۔ جب احمد عبداللہ کے گھر جائے گا تو احمد کے لئے اپنا گھر غیب اور عبداللہ کا گھر ظاہر ہو جائے گا۔ اسے کہتے ہیں غیب حاضر غیب۔ کائنات کی ہر شے اس فارمولے پر قائم ہے۔

حامد ابراہیم

# مفروضہ حواس ــــ؟

صوتی منبع سے پیدا ہونے والا ارتعاش جب پردوں یا واسطوں سے گزرا تو کیا ان میں میڈیم کی مقداروں سے خلط ملط کی وجہ سے تبدیلی نہیں ہوئی ؟

ستاروں، سیاروں، کہکشاؤں اور دیگر اجرام فلکی کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کے لئے ترقی یافتہ اقوام نے صحراؤں اور پہاڑی چوٹیوں پر بھی رصدگاہیں قائم کی ہیں۔ جدید آلات، طاقت ور کمپیوٹر نظام اور دیوہیکل طاقت ور دوربینوں سے آراستہ جدید رصدگاہ کے قیام کے لئے خطیر رقم اور وسائل درکار ہوتے ہیں۔

آبادی سے دور رصدگاہ تعمیر کرنے کا بنیادی مقصد ہے کہ گرد وغبار، دھوئیں اور مصنوعی روشنی سے مبرا صاف شفاف ماحول میسر ہوتا کہ اجرام فلکی کا مشاہدہ کرنے میں زمینی وفضائی آلودگی حائل نہ ہو۔

آدھی رات کا وقت ہے۔ مطلع صاف ہے۔ پہاڑی سلسلہ ''الف'' کی بلند ترین چوٹی پر موجود رصدگاہ میں ماہرین فلکیات، محققین کی ایک ٹیم تحقیق و تلاش میں مصروف ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی حامل انتہائی جسیم دوربین، طاقت ور کمپیوٹر سسٹم سے منسلک ہے۔ ٹیم کے چند ارکان کی توجہ کمرے میں نصب کمپیوٹر اسکرینوں پر ہے۔ کچھ ارکان دوربین کے عدسوں اور آئینوں کو ترتیب میں رکھنے پر متعین ہیں۔ دو محقق عدسوں پر نظریں جمائے مشاہدہ میں مصروف ہیں۔ ستاروں سے آنے والی روشنی دوربین میں داخل ہوتی ہے۔ عدسوں اور آئینوں کی مخصوص ترتیب سے گزرتی ہوئی محقق کے بصری نظام میں داخل ہوتی ہے۔

اسی اثنا میں کمپیوٹر کا نظام دوربین کی وصول کردہ روشنی کو برقی مقناطیسی سگنلوں میں تبدیل کر کے مختلف اسکرینوں پر تصاویر، جدول (چارٹ) اور اعداد میں ظاہر کرتا ہے۔ محقق ان معلومات کو یک جا کر کے اجرام فلکی کی ہیئت، حرکت اور ساخت وغیرہ سے متعلق جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

تحقیق کے اس عمل کی ترتیب اس طرح بنتی ہے کہ کسی مخصوص ستارہ سے خارج ہونے والی روشنی خلا میں اربوں کھربوں میل کی مسافت طے کر کے زمین کی فضا میں داخل ہوئی۔ فضا کے اجزا (گیسیں، گرد وغبار،

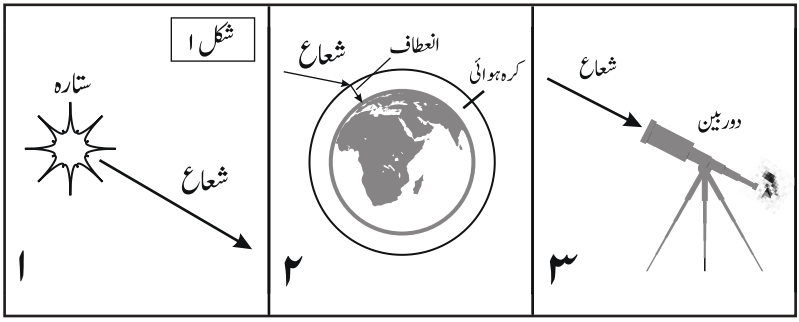


بخارات) کی تہ سے گزر کر دوربین کے بڑے حصہ تک پہنچی۔ مختلف آئینوں اور عدسوں سے گزرتی ہوئی آخری عدسہ میں داخل ہوئی جس پر ماہرین فلکیات کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔ ستاروں سے روشنی خارج ہوتے وقت یہ روشنی جن مقداروں (طول موج، فریکوئنسی، شدت وغیرہ) پر مشتمل تھی کیا اتنے پردوں میں سے گزرنے کے بعد بھی یہ مقداریں قائم ہیں؟

بصریات (optics) کے طالب علم جانتے ہیں کہ روشنی جب ایک واسطہ سے دوسرے واسطہ میں داخل ہوتی ہے تو اس کی مقداریں یکساں نہیں رہتیں۔ رفتار میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے جس کی بنا پر روشنی منعطف (خم دار) ہوجاتی ہے۔ طول موج، فریکوئنسی اور شدت وغیرہ پر اثر پڑتا ہے۔ چناں چہ جو روشنی (اطلاع لے کر) ستارہ سے خارج ہوئی، مختلف واسطوں سے گزر کر اس اطلاع میں تحریف ہوتی گئی۔

حتیٰ کہ آنکھ بھی ایک واسطہ ہے۔ آنکھ میں نصب عدسہ، شفاف سیال وغیرہ روشنی کی مقداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آنکھ کے پچھلے حصہ میں موجود کونز اور راڈز کا نظام روشنی کی مقداروں میں تمیز کے ساتھ ساتھ تحریف کا ذمہ دار ہے کیوں کہ یہ نظام خود ایک واسطہ ہے۔ پھر روشنی دماغ میں برقی رو میں تبدیل ہو کر ان خلیات میں پہنچتی ہے جو بصری نظام سے متعلق ہیں۔

مساوات یہ بنی:

ستارہ سے روشنی خارج ہوئی،

خلا سے گزر کر زمینی فضا میں داخل ہوئی،

فضا سے گزرتے ہوئے روشنی کی مقدار تبدیل ہوئی،

روشنی دوربین میں داخل ہوئی،

دوربین نے فضا کی تبدیل کردہ روشنی کو دیکھا،

دوربین نے روشنی میں تحریف کی،

اور آنکھ نے وہ دیکھا جو شیشہ دکھا رہا ہے۔

اتنی تبدیلی کے بعد بالآخر ستارہ کی جو معلومات حاصل ہوئیں وہ کس قدر درست ہیں؟

وضاحت کے لئے شکل نمبر (۱) دیکھئے۔

مادی واسطوں سے پیدا ہونے والا فریبِ نظر (opitical illusion) آج کے دور میں معمہ

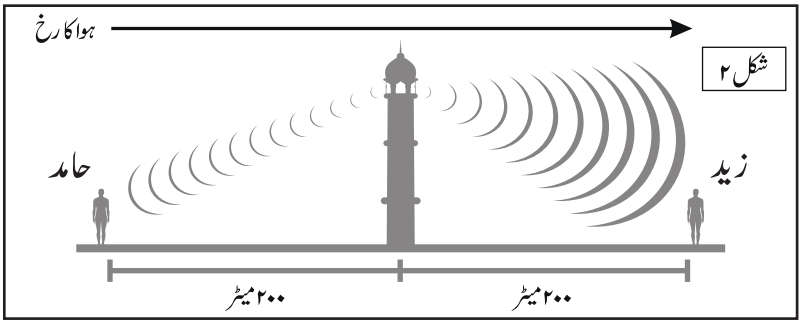


نہیں۔ مضمون میں یہ باور کرانا مقصود ہے کہ جب بھی اطلاع مادی واسطوں سے گزر کر دماغ تک پہنچتی ہے، اس میں تحریف اور تبدیلی واقع ہونا ناگزیر ہے۔ پھر اطلاع کو من وعن اصلی حالت میں وصول کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ کیا ہمارے اندر وہ آنکھ یا بصارت موجود ہے جو اطلاع کو اصل صورت میں قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟

زید کے گھر سے مغرب کی جانب 200 میٹر کے فاصلہ پر مسجد ہے۔ ہوا میں نمی کا تناسب 70 فی صد ہے کیوں کہ بارش دو گھنٹے پہلے رکی ہے۔ ہوا کی رفتار 45 کلومیٹر فی گھنٹا مغرب سے مشرق کی جانب ہے۔ ہوا کی یہ رفتار معمول سے کافی تیز ہے۔ ظہر کا وقت ہے۔ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں اذان دی جاتی ہے۔ ''زید'' کو اذان کی آواز معمول سے بہت بلند سنائی دیتی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مسجد 200 میٹر کے فاصلہ پر نہیں بلکہ 50 میٹر سے کم فاصلہ پر ہے۔

حامد کا گھر مسجد سے 200 میٹر مغرب کی جانب ہے۔ اذان کی آواز اسے معمول سے مدھم سنائی دیتی ہے جیسے مسجد 200 میٹر کے فاصلہ پر نہیں بلکہ 500 میٹر یا اس سے دور واقع ہے۔

''زید'' اور ''حامد'' کے گھر مسجد سے یکساں فاصلہ لیکن مخالف سمت میں ہیں۔ اذان کی آواز کی بلندی دونوں سامعین کے لئے یکساں اس لئے نہیں کہ آواز کا واسطہ یعنی ہوا، آواز کی لہروں کو زید کے لئے بلند اور حامد کے لئے پست کر رہا ہے جس سے ''زید'' کو مسجد کے لاؤڈ اسپیکر (آواز کا منبع) سے قریب اور ''حامد'' کو دور ہونے کا الوژن پیدا ہوا۔ شکل نمبر (۲) دیکھئے۔

قارئین کرام! آواز اپنے منبع سے خارج ہوئی۔ ہوا کے پردہ (واسطہ) سے گزر کر کان میں داخل ہوئی۔ کان بھی ایک پردہ (واسطہ) ہے۔ دونوں پردے مادی ہیں۔ ہوا گیسوں پر اور کان ٹھوس اور مائع حصوں پر مشتمل ہے۔ آواز کے مصدر (منبع) کا ارتعاش ہوا میں منتقل ہوا، ہوا مرتعش ہوئی، ہوا کا ارتعاش کان میں منتقل ہوا، ارتعاش برقی سگنلوں میں تبدیل ہوئے اور دماغ

نے معنی پہنائے۔صورت حال وہی ہے — صوتی منبع سے پیدا ہونے والا ارتعاش جب پردوں یا واسطوں سے گزرا تو کیا ان میں میڈیم کی مقداروں سے خلط ملط کی وجہ سے تبدیلی نہیں ہوئی؟

طالب علم مطالعہ میں مصروف ہے۔ایک صفحہ کے بعد دوسرا صفحہ شروع ہوتا ہے۔طالب علم پانی سے تر اسفنج پر انگلی مس کرتا ہے تاکہ انگلی اور کاغذ کے درمیان چپک پیدا ہو۔اس چپک سے صفحہ پلٹنے میں آسانی ہوتی ہے وگرنہ دو تین صفحے اکٹھے پلٹنے کا احتمال ہے۔

اسفنج نرم ہے۔کتنا نرم ہے؟ طالب علم بتا سکتا ہے کہ اسفنج کی نرمی، پاس رکھے تکیہ کی نرمی سے مختلف ہے۔ اسفنج پانی سے تر ہے۔طالب علم انگلی مس کرنے سے تری اور پانی کے بخاراتی عمل کی وجہ سے پیدا ہونے والی ٹھنڈک کو محسوس کرتا ہے۔پھر انگلی کاغذ سے مس ہوتی ہے اور کاغذ کی موٹائی، ملائمت اور لچک کی اطلاعات بذریعہ لمس طالب علم کے دماغ تک پہنچتی ہیں۔

بایاں ہاتھ کتاب کے نیچے ہے۔کتاب کی جلد جس گتے سے بنی ہے، اس کی سختی اور اس پر منڈھے چمڑے کے texture کا احساس طالب علم کو بخوبی ہے۔طالب علم مطالعہ ختم کرتا ہے۔سامنے کتابوں کی الماری ہے۔الماری کا ہینڈل لوہے سے بنا ہے۔ طالب علم ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑتا ہے اور کھینچنے سے طاق کھل جاتا ہے۔

دماغ لوہے کی سختی، مضبوطی اور ٹھوس پن کی اطلاعات بذریعہ لمس قبول کرتا ہے۔لمس کے اعصاب جسم، خصوصاً جلد میں نیٹ ورک کی صورت میں پھیلے ہوئے ہیں جو کسی شے کے چھونے کے احساس کو دماغ میں برقی سگنلوں کے ذریعے منتقل کرتے ہیں لیکن شے چاہے وہ لوہا، لکڑی، کاغذ، کپڑا اسفنج یا کوئی میٹریل ہو، اس کے لمس کی انتہائی بنیادی سطح کیا ہے؟

سائنس وضاحت کرتی ہے کہ کوئی بھی دو سطحیں خواہ وہ کتنی قوت اور مضبوطی سے آپس میں مس ہوں، ان کے ایٹموں کے بیرونی الیکٹران یکساں منفی چارج رکھنے کی بنا پر ایک دوسرے سے گریز کرتے ہیں۔ چناں چہ دو سطحوں کے درمیان ہمیشہ خلا موجود رہتا ہے چاہے وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔

مطلب یہ ہوا کہ دو سطحیں ایک دوسرے سے حقیقی طور پر مس نہیں ہوتیں بلکہ ایک دوسرے کے بیرونی الیکٹرانوں کی مخالف اور برابر قوت کی بنا پر ہمیشہ ایک فاصلہ پر رہتی ہیں۔سمجھ میں آتا ہے کہ مادی لمس کی بنیاد الوژن پر قائم ہے۔اللہ کریم کا ارشاد ہے:

''اور ہم اس کی رگِ جاں سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔'' (ق:۱۶)

کتاب میز پر ہے۔دونوں کے درمیان بظاہر خلا نظر نہیں آتا لیکن خلا موجود ہے۔اس طرح کتاب میز سے حقیقی طور پر مس ہونے کے بجائے نظر نہ آنے

والے خلا میں معلق ہے۔ باطنی علوم کے ماہرین وضاحت کرتے ہیں کہ مادہ کا آپس میں ربط خلا کے ذریعہ ہے اوران میں بذات خود خلا ہے۔

محترم عظیمی صاحب مادہ (matter)، مادہ کے ٹھوس پن اور خلا کا قانون لکھتے ہیں:

''جو چیز جتنی ٹھوس ہوگی اسی مناسبت سے اس میں خلا ہوگا۔ روحانی آنکھ سے اگر دیوار کو دیکھا جائے تو ہر اینٹ کے اندر بڑے بڑے سوراخ نظر آتے ہیں۔ پہاڑوں کو اگر باطنی آنکھ سے دیکھا جائے تو بڑے بڑے غار نظر آتے ہیں۔ لگتا ہے بادلوں کی طرح کوئی چیز آسمان میں تیر رہی ہے۔ خلاؤں کو پُر کرنے کے لئے ان حواس میں ایسے تقاضے بھی موجود ہیں جن کو ہم اختیاری حواس کہہ سکتے ہیں یعنی ایسے حواس جو ہمیں زندگی کے تعمیری رخ پر قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان خلاؤں میں جو رخ تعمیر کی طرف متوجہ کرتا ہے اس کا نام ضمیر ہے۔''

کوانٹم فزکس کے ذریعے محقق اس نتیجہ پر پہنچ گیا ہے کہ مادہ کی اصل خلا ہے۔ ایٹم اور ایٹم کے ذیلی ذرّات دراصل خلا کی مختلف اکائیاں ہیں۔

وہ حواس جو مادہ کی سطح تک محدود ہیں، شے کی اصل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ مادہ کے خلا سے باہر نہیں نکل سکتے۔ چناں چہ ان حواس سے ترتیب پانے والا شعور الوژن کے تانے بانے پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ آدم کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتے ہیں۔

''اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔''

(الحدید: ۲۰)

دیکھنے، سننے، چھونے، سونگھنے یا چکھنے کے مادی حواس شے کو براہ راست جاننے اور سمجھنے کے لئے ایک شے کی مدد سے دوسری شے کو سمجھتے ہیں۔ درمیانی حوالہ، میڈیم یا پردہ شے کی حقیقت اور کنہ کے وقوف میں مانع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مادی حواس کی روشنی میں شے کی حقیقت سے متعلق اختلاف موجود رہتا ہے۔ ایک ہی شے کو جاننے اور سمجھنے کے نظریات وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے ہیں، مسترد ہوتے ہیں اور نئے نظریات بنتے ہیں حالاں کہ شے کی اصل ایک ہے۔ ان نظریات پر ڈگریاں بھی ملتی ہیں، نظریات غلط ثابت ہوجاتے ہیں لیکن ڈگری واپس نہیں لی جاتی۔

ماہرین حیاتیات کی تحقیقات کے مطابق زمین پر موجود جانوروں میں ایک فی صد سے بھی کم ایسے جانور ہیں جن میں نیلا رنگ نمایاں ہے۔ وجہ ان میں نیلے رنگ کا پگمنٹ ہے جب کہ باقی جتنے جانور، پرندے، مچھلیاں اور حشرات الارض وغیرہ ہیں، ان میں نیلے رنگ کے شیڈز نظر آتے ہیں لیکن یہ نیلے رنگ کے نہیں ہوتے۔ پھر ایسے جانور ہمیں نیلے کیوں نظر آتے ہیں؟

وجہ یہ ہے کہ ان کے پروں یا بالوں کی خوردبینی ساخت کی وجہ سے جب روشنی ان سے ٹکراتی ہے تو روشنی میں سوائے نیلے رنگ کے باقی تمام رنگ فضا میں تحلیل

ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ میں ان کی ظاہری سطح نیلی نظر آتی ہے۔ یہ مثال واضح کرتی ہے کہ مادی حواس کو دھوکا دینا کس قدر آسان ہے۔

ہم بظاہر جو دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، چھوتے ہیں یا چکھتے ہیں، ضروری نہیں وہ اسی طرح ہو۔ یہ معمول ہے کہ شے کی اصل کچھ اور ہوتی ہے مگر ہمارے حواس دھوکا کھا کر اسے کسی اور طرح دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔

خاتم النبیین رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

''مرجاؤ مرنے سے پہلے۔''

یعنی مرنے سے پہلے مرنے کے بعد کی زندگی کے حواس سے واقف ہو جاؤ۔

رسول اللہؐ نے فرد کو دنیا میں رہتے ہوئے الوژن حواس سے نکل کر ان حواس سے وقوف کو لازمی قرار دیا ہے جو جنت کے حواس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں شجر ممنوعہ کے قریب جانے سے منع فرمایا۔ آدم پر جنت میں زمان و مکان کی پابندی نہیں تھی۔ نافرمانی کی صورت میں قید و بند کا عذاب مسلط ہو گیا۔

عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''وہ درخت گندم کا درخت ہرگز نہیں ہے۔ وہ درخت ہے حواس کا، ایسے حواس کا جو انسان کو ہمیشہ پابند اور مقید رکھتے ہیں، درخت معنوی نقطۂ نظر سے ایک ایسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس میں شاخ در شاخ پتّے اور پھل کی موجودگی پائی جاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اے آدم! زمان و مکان کی پابندی قبول نہ کرنا ورنہ تو اس میں اس طرح جکڑا جائے گا جس طرح کسی درخت کی شاخ میں سے شاخ اور پھر شاخ میں سے شاخ اور ہر شاخ میں بے شمار پتّے ہوتے ہیں اور جب تو اس قید و بند کو آزادی اور خوشی کے بدلے قبول کر لے گا تو اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ فنکونا من الظالمین۔ اور جب آدم نے قید و بند کی زندگی کو اپنا لیا تو جنت نے جو آزاد اور زمان و مکان کی پابندیوں سے ماورا مقام ہے، اسے رد کر دیا۔ چوں کہ آدمی جنت کے حواس کھو بیٹھا جو اس کے اپنے اصلی حواس ہیں اس لئے آدم کو زمین پر پھینک دیا گیا جہاں وہ پابندی اور قید و صعوبت کے حواس میں گرفتار ہے۔ علم مابعد النفسیات کا یہ کہنا ہے کہ زمین کے اوپر کام کرنے والے حواس مفروضہ ہیں اس لئے کہ یہ انسان کے اصل حواس نہیں ہیں بلکہ عارضی اور نقلی ہیں۔ انسان کے اصل حواس وہ ہیں جہاں اس پر زمان و مکان کی حد بندیاں عائد نہیں ہوتیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''سنو! بے شک اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' (یونس:۶۲)

آدمی عارضی اور نقلی حواس کے تسلط سے نجات پالے تو پھر وہ اصلی اور آزاد حواس کو حاصل کر سکتا ہے جس میں نہ غم کو دخل ہے نہ پریشانی کو اور نہ جذباتی کشمکش، اعصابی کشیدگی اور دل و دماغ کے کرب کی داستانیں ہیں۔

# مسائل کا حل

خواتین وحضرات! ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں خواب کی تعبیر کے مقبول سلسلہ کے علاوہ پیراسائیکالوجی طریقۂ علاج کے تحت مسائل کے حل کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ اگر آپ کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنا چاہیں تو ادارہ کو خط لکھ سکتے ہیں۔ خط کے ساتھ ٹوکن منسلک ہونا ضروری ہے — ٹوکن جلد شائع کیا جائے گا۔

---

زندگی ظاہر اور باطن میں تقسیم ہے اور تین دائروں میں گزرتی ہے۔ ظاہری کیفیات کا انحصار باطن پر ہے۔ باطن میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو اندر باہر جسمانی نظام حرکت میں آتا ہے۔ جسم میں خون کی روانی بظاہر نظروں سے مخفی ہے لیکن یہ باطنی کیفیت نہیں۔ باطنی کیفیت خون کی روانی کو حرکت میں رکھنے والی توانائی ہے جو نظر نہیں آتی — حرکت میں ظاہر ہوتی ہے۔

جسمانی اعضا میں جو نظام سرگرم عمل ہے وہ بھی ایک طرح سے ظاہر کے زمرہ میں آتا ہے کیوں کہ کوئی بھی نظام خود سے حرکت میں نہیں، حرکت کہیں سے آرہی ہے۔ حرکت کا آنا، جسم میں تحریک اور حرکت کا محرک سب باطن ہے۔

ہم باطن اس کو کہتے ہیں جو محدود نگاہ سے نظر نہیں آتا ورنہ کائنات میں جو کچھ تخلیق کیا جا چکا ہے سب ظاہر ہے۔ یہاں تک کہ مخلوقات کو حواس عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کرایا ہے۔ ظاہر اور باطن کا تعلق فرد کی فہم سے ہے۔

تعارف کا مرحلہ خیال سے شروع ہوتا ہے اور خیال آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو مخاطب کیا تو سب سے پہلے مخلوق آواز سے مانوس ہوئی۔

متوجہ کرنے کے لئے آواز دی جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو سن نہیں سکتے، وہ بول نہیں سکتے۔ جو سن نہیں سکتے، ان کے ذہن میں مخاطب کی آواز کا تصور نہیں بنتا۔ سوال ہوسکتا ہے کہ ضروری نہیں ہر گونگا بہرا شخص اندھا بھی ہو۔ بات یہ ہے کہ وہ گونگا بہرا ضرور ہے لیکن اندر کی آواز سے واقف ہے اور اسے سنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشاروں میں بات سمجھائی جاتی ہے۔ چوں کہ وہ اندر کی آواز سے واقف ہے اس لئے اشاروں میں بات سمجھ لیتا ہے۔

قانون: خیال — آواز ہے اور آواز تعارف کا سبب

ہے۔اس کے بعد دیگر حواس متحرک ہوتے ہیں۔

انسان کے ذہن کی وسعت کائنات کی وسعت کے برابر ہے۔وسعت کا ادراک اس وقت ہوتا ہے جب ذہن کے خوابیدہ گوشے اطلاع ذہن میں داخل ہونے سے حرکت میں آتے ہیں۔

اطلاع کے نزول کا ابتدائی مرحلہ واہمہ ہے، شعور اس کے دباؤ کو محسوس نہیں کرتا۔دباؤ میں اضافہ سے شعور اطلاع کی وائبریشن کو محسوس کرتا ہے اور اس جانب متوجہ ہوجاتا ہے۔توجہ سے تصور بنتا ہے، گہرائی پیدا ہونے سے تصور میں موجود احساس غالب ہوتا ہے اور قبول اور ردکرنے کے عمل کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

توجہ طلب ہے کہ احساس تصور میں موجود ہے۔اس کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔قبولیت ہوتی ہے تو تصور کا دوسرا رخ مغلوب رہتا ہے اور ذہن تقسیم نہیں ہوتا۔اس کے برعکس رد ہونے کی صورت میں تصور میں پنہاں مغلوب رخ غالب ہوجاتا ہے۔چوں کہ فرد تصور میں ابتدائی طور پر غالب رخ سے واقف ہوگیا تھا اس لئے ردکرنے کی صورت میں جب دوسرا رخ غالب ہوا تو اس کا ذہن دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ضمیر کی آواز پر عمل کرکے خیال کو سنا جائے تو ذہن تقسیم نہیں ہوتا۔تقسیم کا مطلب ٹوٹ پھوٹ، شک، بے یقینی اور کمزوری ہے۔

ایک صاحبہ نے اپنا مسئلہ بتایا۔میری عمر انیس سال ہے۔احساس کم تری میں مبتلا ہوں۔میری ناک بہت بدصورت اور موٹی ہے جس سے چہرہ کی ساخت بری طرح متاثر ہے۔نماز پنجگانہ کی پابند ہوں۔ہر نماز کے بعد دعا کرتی ہوں کہ میں خوب صورت ہو جاؤں اور احساس کم تری سے نجات مل جائے۔

پیراسائیکالوجی کے تحت مسئلہ کا علاج ہے:

''رات کو سونے سے پہلے آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر آنکھیں بند کرلیں اور یہ تصور کریں کہ آئینہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔دل ہی دل میں یہ الفاظ دہرائیں۔میری ناک موٹی اور بھدی نہیں ہے۔چہرہ کی مناسبت سے ٹھیک ہے۔یہ عمل روزانہ پانچ منٹ کرکے بات کئے بغیر سوجائیں۔اس بات کا خیال رکھا جائے کہ آنکھیں کھولنے کے بعد آئینہ میں اپنا عکس نہ دیکھا جائے اور چالیس (40) روز تک کسی بھی وقت کھلی آنکھوں سے آئینہ بینی نہ کی جائے۔''

سوچئے اور بتایئے کہ علاج کی توجیہ کیا ہے اور آئینہ بینی کے ذریعے علاج کیوں تجویز کیا گیا—؟

زندگی تین دائروں میں گزرتی ہے۔

۱۔ مادی (فزکس)

۲۔ ذہنی (سائیکالوجی)

۳۔ ماورائے ذہنی (پیراسائیکالوجی)

''فزکس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زندگی میں جو کچھ اس کے جذبات و احساسات کا تعلق ہے اسے طبعیات کہتے ہیں ۔ وہ زندگی میں نشیب وفراز سے گزرتا ہے نشیب و فراز سے گزرنے میں اس کے ذہن میں تبدیلیاں ہوتی ہیں ۔کبھی خوش ہوتا ہے، کبھی غمگین ہوتا ہے اور اس کا کچھ فیصلہ نہیں کرسکتا، اسے نفسیات کہتے ہیں ۔فزکس اور نفسیات کے مسائل جو چیز حل کر رہی ہے اور جہاں سے خیالات آرہے ہیں اسے پیراسائیکالوجی کہتے ہیں ۔''

مذکورہ بالا ایکویشن کو سمجھنے کے لئے اس طرح بیان کیا جائے گا کہ ماحول میں جو چیزیں اور عادات رائج ہیں وہ سب مادی دائرہ میں آتی ہیں ۔ بچہ کی پیدائش، عمر کے ادوار، کھانا پینا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، ایجادات و ترقی، میل ملاپ، معاشرتی وسماجی و خاندانی نظام سب مادی دائرہ میں آتا ہے اس کو فزکس کہا جاتا ہے ۔

دوسرا دائرہ نفسیات کا ہے کہ فرد کس طرح سوچتا ہے، اور اس کا ذہن کن طرزوں پر کام کررہا ہے — ؟ جس کو ہم مزاج کہتے ہیں وہ ایک ہے لیکن بچہ، جوان اور بوڑھے فرد کا مزاج ،اسی طرح پرندوں، جانوروں اور حشرات کا مزاج بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے ۔ خوشی ،غم ،سکون، بےسکونی، ہم دردی، بے حسی، محبت، نفرت، اختلاف، اتحاد — یہ سب نفسیات کے دائرہ میں آتے ہیں ۔ان سارے عوامل کی ابتدا خیال ہے اور خیال کہاں سے آتا ہے یہ علم پیراسائیکالوجی کہلاتا ہے ۔

شے موجود ہو یا نہ ہو — اگر اس کی اطلاع نہ آئے تو ہمارے لئے غیر موجود ہے ۔مثال یہ سمجھ میں آتی ہے کہ آدمی کو ما میں چلا جاتا ہے یا کسی ایک خیال میں بے خیال ہوجاتا ہے ۔ایک خیال میں بے خیال ہونے سے مراد ہے کہ خیال کی اندرونی سطح سامنے آجاتی ہے جس میں شے کے مفہوم کی وضاحت ہے ۔آسان الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ خیال کی ابتدا وہم سے ہوتی ہے ۔

واہمہ کیا ہے — ؟ واہمہ ایسی اطلاع ہے جو سورس آف لائف ہے یعنی روح ۔مقدس کتابوں کے مطابق روح کی تعریف یہ ہے کہ روح اللہ کا امر ہے ۔کائنات ماوراء الماورا ہستی کی تخلیق ہے ۔تخلیق سے مراد یہ ہے کہ ایک ماورا ہستی نے جب کائنات کی تخلیق کا ارادہ کیا، ارادہ میں جو کچھ تھا اور رہے گا وہ ظاہر ہوگیا ۔

قرآن کریم میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی وضاحت ہے ۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر ۔'' (حٰمٓ السجدۃ: ۴۷)

آیت میں زندگی کے تینوں دائروں کا ریکارڈ ہے ۔ الفاظ کو نمبروار لکھیں تو ترتیب یہ بنتی ہے:

۱۔ غلاف اور وہ عوامل جن سے غلاف تشکیل ہوا

۲۔ پھل — پھل کا بننا اور نکلنا

۳۔ مادہ — حاملہ ہونا

۴۔ پیدائش کا عمل اور بچہ

۵۔ اللہ کے علم کا سارے عمل پر محیط ہونا

غلاف، پھل، پھل کا بننا اور پھل کا غلاف سے نکلنا — مادہ، حاملہ ہونا اور بچہ جننا یہ سب فزکس ہے۔ غلاف میں ٹھنڈک یا حدت، پھل کا مزاج یعنی مٹھاس، کھٹاس، ترشی، ٹھنڈک اور حدت وغیرہ — علاوہ ازیں پھل بننے اور مادہ کے حمل ٹھہرنے میں فرد (پھل اور مادہ) جن کیفیات سے گزرا وہ نفسیات ہے۔ جب تک دو ذہن نہیں ملتے، حمل نہیں ٹھہرتا۔ اسی طرح جب تک دو مقداروں میں توازن قائم نہیں ہوتا، وہ ایک نہیں ہوتیں۔ جب ایک نہیں ہوتیں تو ملاپ کا عمل پورا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی سے آدمی اور مقداریں ایک ہونے کی وجہ سے شیر سے شیر پیدا ہوتا ہے۔ نر اور مادہ میں چاہے کتنے اختلافات کیوں نہ ہوں، جنسی ملاپ سے ایک مرحلہ پر دونوں کا ذہن مل جاتا ہے، دو ذہن ملنے سے تیسرا ذہن تخلیق پاتا ہے اور اس تیسرے ذہن میں دونوں ذہنوں کے خواص منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچہ کو ماں باپ کی کاربن کاپی کہا جاتا ہے۔

پھل کا غلاف میں بننا اور نکلنا، حمل ٹھہرنا اور بچہ کی پیدائش — اس سارے عمل پر اللہ کا علم محیط ہے۔

روحانی علوم دستاویز ہیں کہ ہم تلاش کریں کہ انسان کی اصل کیا ہے۔ وہ کہاں سے آ کر اپنے لئے جسمانی لباس تیار کرتا ہے اور پھر اس لباس کو اتار کر کہاں چلا جاتا ہے۔ قدرت نے انسان کو اصل انسان سے متعارف کرانے کے لئے بہت اہم اور مختصر فارمولے بنائے ہیں تاکہ نوع انسانی خود آگاہی حاصل کر کے اپنی اصل سے واقف ہو جائے۔

''مابعد النفسیات میں، طبیعیات اور نفسیات سے ہٹ کر ان ایجنسیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو کائنات کی مشترک سطح میں عمل پیرا ہیں اور کائنات کے قوانین عمل کا احاطہ کرتی ہیں۔ نظریۂ رنگ و نور اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان کائنات کی تخلیق میں کام کرنے والے فارمولوں سے کہاں تک واقف ہے۔ یہ فارمولے اس کی دسترس میں ہیں یا نہیں اور ہیں تو کس حد تک ہیں۔ انسان کے لئے ان کی افادیت کیا ہے اور ان سے آگاہی حاصل کر کے وہ کس طرح زندگی کو خوش گوار اور کامیاب بنا سکتا ہے۔''

کائنات کی مشترک سطح میں کام کرنے والے عوامل پر غور کریں تو شہادت فراہم ہوتی ہے کہ زندگی اس کائنات کی ہر شے میں متحرک ہے۔ ہر شے میں مشترک سطح کو تلاش کیا جائے تو فرد انفرادیت سے نکلتا ہے اور اپنی اور دیگر مظاہر کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے۔ واقفیت اسے اصل سے قریب کرتی ہے۔

جب تک انسان اپنی بنیاد کی طرف رجوع نہیں کرتا، اصل سے واقف نہیں ہوتا! (جاری ہے)

احمد نواز

# بچہ نے گٹھلی میں کیا دیکھا

ذہن میں یہ بات موجود رہنی چاہئے کہ بچہ ''فواد'' سے سوچتا ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی نگاہ سے دیکھتا ہے یعنی اس کی حرکت صرف اور صرف اللہ کے امر کے تابع ہے۔

صحن کے ایک کونے میں آم کی گٹھلی بوئی تھی۔ چھوٹا بیٹا کہنے لگا، اس پودے میں لگنے والے آم میں کھاؤں گا۔ بچہ نے جب یہ بات کی تو میں نے سوچا کہ کیا اس نے چشم زدن میں گٹھلی کو درخت بنتے دیکھ لیا ہے — ؟ تصور میں اتنی طاقت ہے کہ مکان اس کے لئے مغلوب ہوجاتا ہے، زمان راہ نمائی کرتا ہے اور سالوں کے وقفہ کو مختصر کر کے ایک لمحہ میں دکھا دیتا ہے۔ یہ ایک لمحہ میں سالوں کا دیکھنا ہے۔

آدمی کے پاس صلاحیت ہے کہ ماضی اور مستقبل میں داخل ہوسکتا ہے۔ جس کو ماضی، حال یا مستقبل کہا جاتا ہے وہ دراصل ریکارڈ ہے۔ اور ریکارڈ جس کو وہ پڑھتا اور دیکھتا ہے، وہ حال یا مستقبل نہیں، ماضی ہے۔

''اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو اور وہ ہوجاتی ہے۔''

(یٰسٓ: ۸۲)

ریکارڈ سے واقف اور ناواقف ہونے سے فرد کے لئے زمانہ کا تعین ہوتا ہے۔ حال میں رہتے ہوئے اگر ایک شخص دیگر زمانوں سے واقف ہوجاتا ہے تو اس کے لئے ہر زمانہ — حال ہے۔ وہ سب کو بیک وقت دیکھ رہا ہے یعنی ماضی میں داخل ہوگیا ہے۔

جب میں نے ان باتوں پر تفکر کیا تو ایک وقت کے بعد ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ البتہ تفکر سے رموز نہ صرف سمجھ میں آتے ہیں — مشاہدہ بن جاتے ہیں۔

منزل رسیدہ شخص سے میں نے پوچھا کہ آم کی گٹھلی دیکھ کر بچہ کو درخت کا خیال کیوں آتا ہے — ؟

منزل رسیدہ شخص نے بتایا کہ آپ کے الفاظ دراصل اطلاع ہیں، ہر اطلاع مکمل علم ہے اور ہر علم کا رشتہ علم الاسما سے قائم ہے۔ اطلاع کے تین حصے ہیں۔

۱۔ پہلا حصہ وہ بچہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت عطا کیا گیا،

۲۔ اطلاع کا دوسرا حصہ آپ خود ہیں۔

۳۔ اطلاع کا تیسرا حصہ استاد یعنی راہ نما ہے۔

آم کی گٹھلی اپنے اندر اپنے باوا آدم اور اماں حوا کا

مکمل ریکارڈ رکھتی ہے اور جب تک اللہ چاہے گا آم پیدا ہوتے رہیں گے، ان سب کا ریکارڈ بھی اس گٹھلی میں موجود ہے ۔ زمین میں دبانے سے آم کی گٹھلی اپنی ذات کو فنا کر دیتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس ایثار کو قبول فرماتے ہیں تو اسے بقا عطا کر دیتے ہیں جو آم کے پودے کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ آم کی گٹھلی کی فنائیت غیب ہے، ایثار بھی غیب ہے اور ان دو غیب کا نتیجہ آم کا وہ پودا ہے جو ہماری نگاہ کے سامنے ہے۔

بچہ غیب کو غیب نہیں سمجھتا بلکہ حاضر سمجھتا ہے ۔ اس کی نگاہ نے لمحۂ حاضر میں آم کی گٹھلی کو زمین میں فنا ہوتے اور ایثار کرتے ہوئے دیکھا۔ ذہن میں یہ بات موجود رہنی چاہئے کہ بچہ ''فواد'' سے سوچتا ہے ۔ اللہ کی عطا کی ہوئی نگاہ سے دیکھتا ہے یعنی اس کی حرکت صرف اور صرف اللہ کے امر کے تابع ہے ۔ وہ الفاظ میں معنی نہیں پہناتا — حقائق کو دیکھتا ہے، سمجھتا ہے اور یادداشت میں محفوظ کرتا ہے ۔ زمان اس کی راہ نمائی کرتا ہے۔

بچہ نے جب لمحۂ حاضر میں آم کی گٹھلی کو زمین میں فنا ہوتے اور ایثار کرتے ہوئے دیکھا تو قدرت نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ وہ اسے آم کے پودے کو بڑا ہوتے اور اس میں پھل لگتے ہوئے دکھائے ۔ بچہ نے جب یہ سارا مشاہدہ کر لیا تب قدرت نے اسے آم کا پھل کھلایا۔ ذائقہ میں شیرینی ، تازگی ، ٹھنڈک اور فرحت کو بچہ نے محسوس کیا اور آم سے حاصل ہونے والی کیلوریز اور روشنی بھی جذب کی تب اس نے آم کھانے کی بات کی ۔

دوسرے حصہ کی وضاحت میں فرمایا کہ اطلاع کا دوسرا حصہ آپ خود ہیں ۔ تفکر کے دوران ذہن کا ماؤف ہونا بذات خود بہت سے مسائل کی نشان دہی کرتا ہے ۔ چوں کہ تفکر کرنا ہماری عادت میں شامل نہیں اس لئے ذہن پر بوجھ پڑتا ہے ۔ اکثر صورتوں میں ذہن مشکل کے بجائے آسانی کی طرف راغب ہوتا ہے اس لئے وہ مکر اور ڈراما کر کے ظاہر کرتا ہے جیسے وہ سن ہو گیا ہے یا بے حس ہو گیا ہے۔

آدمی کے ذہن کی مثال اڑیل گھوڑے کی طرح ہے، اسے سدھانا پڑتا ہے ۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تفکر کا رخ باطن کے بجائے ظاہر کی طرف ہو جائے ۔ نماز میں خیالات کی یلغار اس کا واضح ثبوت ہے ۔ ذہنی یک سوئی کی کمی بھی ہو سکتی ہے اور فضول گفتگو، لایعنی مصروفیات اور غیر متعلقہ معلومات بھی اس کی وجہ ہیں ۔ تجزیہ کریں ۔ بات سمجھ میں آجائے گی ۔ شک سے یقین کی طرف سفر کے دور میں بھی اسی طرح کی کیفیات طاری ہوتی ہیں ۔ مسلسل کوشش کرنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

اب دیکھو! قدرت نے ایک بچہ کے ذریعے ہماری اصلاح فرمائی اور ہمارے خیالات کا تعمیر کردہ محل ایک جھٹکے میں زمین بوس کر دیا۔

منزل رسیدہ شخص نے مزید کہا، اطلاع کا تیسرا حصہ

استاد کی ذات کا وہ تصور ہے جو آپ نے ذہن میں بنا لیا ہے۔استاد کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ اس کی باتیں میری سمجھ میں آسانی سے آتی ہیں ،تصور گہرا ہوتا ہے تو مشاہدہ بن جاتی ہیں ۔ ذہن وسیع ہوتا ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔استاد کے لئے شاگرد کی یہ سوچ کسی حد تک درست ہے۔

۱۔حضور پاکؐ کی محفل میں جب صحابہ کرام بیٹھتے تھے تو فیضان نبویؐ سے مستفید ہوتے تھے ۔یعنی آپؐ کے انوار صحابہ کرام میں منتقل ہوتے رہتے تھے۔اس سے قربت کے قانون کا انکشاف ہوتا ہے۔

۲۔اسی کے ساتھ دوسرا قانون تصرف کا ہے جس کی سب سے بڑی مثال بچہ کا مادری زبان سیکھنا ہے۔

۳۔ایک شخص اختیاری طور پر استاد سے متاثر ہوا۔ اس سے متاثر کرنے اور متاثر ہونے کے قانون کا انکشاف ہوتا ہے۔

منزل رسیدہ شخص نے فرمایا، اللہ نے حضور پاکؐ کو عالمین اور ہر زمانہ کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور تمام انسانوں کے لئے عملی نمونہ بنایا ہے ۔ رول ماڈل سے متاثر ہونا فطری بات ہے۔

ایک شخص جب کسی پیشہ یا مقصد کا انتخاب کر کے عملی طور پر کوشش کرتا ہے تو اس کے سامنے کسی فرد کی زندگی بطور نمونہ موجود ہوتی ہے۔

میں نے باطنی توجیہ جاننا چاہی تو انہوں نے فرمایا، تجلی جب تنزل کر کے نور میں تبدیل ہوتی ہے تو نور سے دو طرح کے حواس تخلیق ہوتے ہیں۔ایک میں حواس کا رخ اعلیٰ علیین (اعلیٰ مقام) کی طرف ہوتا ہے اور دوسرے میں حواس کا رخ اسفل سافلین (پست ترین مقام) کی طرف ہوتا ہے۔ارادہ ان میں سے کسی ایک رخ کا انتخاب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ارادہ کا رخ اعلیٰ علیین کی طرف ہونا چاہئے جو حضور پاکؐ کی رحمت کا پُرجوش سمندر ہے۔

جب آپ اپنے ارادہ کو اپنے راہ نما کے ارادہ کے تابع کر دیتے ہیں تو پھر بیان کردہ قانون کے مطابق حواس جزوی طور پر مغلوب ہو جاتے ہیں اور راہ نما کے حواس غالب ہو جاتے ہیں۔

ایک معصوم بچہ عمر بڑھنے کے ساتھ ماحول سے متاثر ہوتا ہے چوں کہ والدین ان فطری قوانین سے واقفیت نہیں رکھتے اور نہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیتے ہیں اس لئے ان کا عمل اور کردار ان کی باتوں سے مختلف ہوتا ہے۔معصوم بچہ میں یہیں سے منافقت کی بنیاد پڑتی ہے۔

جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو اپنے جذبات اور احساسات بھی فضا میں نشر کرتے ہیں ۔ دوسرے لوگ متاثر ہوتے ہیں ۔ ماحول میں نفرت ،غم ،حسد،غصہ، انتقام وغیرہ کی کثیف لہروں کا غلبہ ہو جائے تو پیار و محبت، دیانت داری ،شجاعت ،سخاوت ، میانہ روی ، قوت برداشت جیسی اعلیٰ اوصاف کی روشنی اور لہریں کم سے کم یا ناپید ہو جاتی ہیں ۔نتیجہ میں قدرت کا

حفاظتی نظام حرکت میں آتا ہے اور زمین پر موجود انواع کو بچانے کے لئے کثیف لہروں کے غلبہ کو ختم کر دیتا ہے۔ پانی میں وہ بنیادی لہریں موجود ہیں جو ماحول کو پاکیزگی عطا کرتی ہیں۔ حضرت نوح ؑ کے قصہ میں کثیف لہروں کا غلبہ اور پھر لطیف روشنی کی بحالی کے تمام مراحل کا وضاحت سے بیان ہے۔

یہ بات سن کر مجھے احساس ہوا کہ زمین کی تباہی و بربادی میں آدمی کا سب سے زیادہ کردار ہے۔

منزل رسیدہ شخص نے کہا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نیابت اور خلافت کا علم عطا فرمایا۔ زمین و آسمان کی ہر چیز کو اس بات کا پابند بنا دیا کہ وہ انسان کی بات مانیں۔ ان علوم میں سے ایک علم ''تخلیق'' ہے۔ روح میں صفت رحیم کا عکس پایا جاتا ہے۔ اسی صفت کے متحرک ہونے سے نوع آدم نے نت نئی ایجادات کی ہیں مگر طرز فکر درست نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے زیادہ تر ایجادات میں تخریب نمایاں ہے۔

میں نے پوچھا، جناب! اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

منزل رسیدہ شخص نے کہا، سوال ہمہ گیر ہے اور تمام نوع انسانی سے متعلق ہے۔ روح ایک ایسا جز ہے جو مخلوقات میں مشترک ہے۔ اگر روح کی تحریکات سمجھنے کی کوشش کی جائے، اس میں تحقیق کی جائے اور تجربات سے ایک دوسرے کو آگاہ کیا جائے تو شعور پر پڑنے والا اضافی بوجھ تقسیم ہو جائے گا اور یہی تجربات، مشاہدات، تجزیے اور تبصرے آنے والی نسلوں میں منتقل ہوتے رہیں گے۔ غلط مفروضات اور وسوسے جو بغیر کسی دلیل کے اگلی نسل میں بطور روایت منتقل ہوتے ہیں ان کی افزائش رک جائے گی۔ اور حق وصداقت کی دنیا روشن ہو گی۔ یہی وہ دنیا ہے جس کی تبلیغ تمام انبیائے کرام نے کی اور یہ علم آنے والی نسلوں میں منتقل کیا۔

ہم اس لحاظ سے بہت خوش بخت ہیں کہ قرآن کریم کی صورت میں علوم وفنون کا بیش بہا خزانہ ہمارے پاس ہے۔ قرآن کریم میں نوع انسانی کے لئے ہدایت اور راہ نمائی موجود ہے۔ ہر وہ شخص جو ہدایت کا طالب ہے مکمل طور پر غیر جانب دار ہو کر اس میں تفکر کرے اور یہ تصور کرے کہ قرآن کا مخاطب کوئی اور نہیں میں خود ہوں۔ اس لئے باطنی نظام کے تحت جس کا تعلق ہدایتِ ربانی سے ہے اس شخص کے لئے ایسے حالات ترتیب دیئے جاتے ہیں جن سے وہ شک اور وسوسوں کی دنیا سے نکل کر یقین، حق وصداقت کی منور دنیا میں قدم رکھتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات میں پنہاں انوار باطن کو روشن کر دیتے ہیں۔ مفروضہ حواس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور چہرہ پر انوار کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے ــــ اس پر انعامات کی بارش برستی ہے۔

منزل رسیدہ شخص نے راستہ کی نشان دہی کر دی تھی، سفر طے کرنا باقی تھا!

محمد عدنان خان

# پورب کے ہم زاد

پورب کے ہم زاد رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و سرمستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان ہے جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چٹانوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخ کے گم شدہ صفحات میں سے یہ داستان محمد عدنان خان کے قلم سے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے اوراق پر لکھی جا رہی ہے۔ اس سے قبل محمد عدنان خان نے مقبول سلسلہ ''پرتیاہار'' لکھا ہے۔

ردا بیٹا بس کر دو، میں کھانا لگا رہی ہوں۔

بس امی آخری سطور ہیں صرف دس منٹ۔

عاجز آ گئی ہوں تمہاری پڑھائی سے۔ یا تو پڑھتی رہتی ہو یا کھنڈرات کی خاک چھاننے نکل جاتی ہو۔ اس کے بعد جو وقت ملتا ہے اس میں کچھ نہ کچھ سوچتی رہتی ہو۔

ردا کی بڑی بہن روما نے کہا، رہنے دیں امی، جو کر رہی ہے کرنے دیں، شادی کے بعد موقع نہیں ملے گا۔ اسماعیل نے بتایا ہے کہ آفتاب کے والدین اگلے ہفتہ ردا کا رشتہ لانا چاہتے ہیں۔ بابا کو بتا دیجئے گا۔ لڑکا با اخلاق ہے۔ والدین پڑھے لکھے ہیں۔ آفتاب کی پوسٹنگ آج کل ٹیکسلا میں ہے اور وہ ردا کو دھرماراجیکا میں تھیسز پر کام کرتے ہوئے دیکھ چکا ہے۔

بیٹا کیا انہیں معلوم ہے کہ تمہارے ابا نسلاً عرب ہیں؟

جی اسماعیل سے ان کے والدین معلومات لے چکے ہیں۔ رہی بات آفتاب کی تو وہ اسماعیل کے ساتھ کافی عرصہ کام کر چکے ہیں، اسماعیل انہیں جانتے ہیں۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ والد عرب کی ایک بین الاقوامی کمپنی میں اچھے عہدہ پر فائز تھے۔ کمپنی کی مختلف ممالک میں شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ ردا کی والدہ پاکستانی تھیں۔ شادی پاکستان میں پوسٹنگ کے دوران ہوئی۔ کئی ممالک میں تبادلوں کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر پاکستان میں تعینات کئے گئے تھے۔ اس طرح ردا کو ٹیکسلا میں تحقیقی مقالہ مکمل کرنے کا سنہری موقع مل گیا۔

ردا کی بڑی بہن روما کی شادی بھی پاکستان میں ہوئی۔ اس کے شوہر اسماعیل سرکاری ادارہ میں اعلیٰ افسر تھے۔ ردا کی ایک ہی سہیلی تھی جس کا نام نیلم تھا۔ ردا نے ابتدائی چند سال پاکستان میں گزارے اور اسکول میں نیلم سے دوستی ہو گئی۔

نیلم کا گھرانا رکھ رکھاؤ والا اور شریف النفس تھا۔ سب مطالعہ کے شوقین تھے۔ کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا جس نے ان کے گھر کو لائبریری بنا دیا تھا۔ زیادہ کتابیں سائنسی اور روحانی موضوعات پر تھیں۔ ردا کو بھی مطالعہ کی عادت ہوگئی۔ والد کا تبادلہ مختلف ممالک میں ہوتا رہا مگر پاکستان آنا جانا رہتا تھا۔ اس لئے ردا اور نیلم کا کئی سالوں تک رابطہ رہا اور آہستہ آہستہ منقطع ہوگیا لیکن دوستی قائم رہی۔

نیلم کے گھر والے کسی روحانی بزرگ کے عقیدت مند تھے۔ گھر پر ذکر و فکر کی محفلیں منعقد ہوتیں جن میں ردا کبھی کبھار دوست کی دعوت پر شریک ہوتی تھی۔

قارئین! پورب کے ہم زاد عالم اعراف کے حواس سے جڑی صدیوں پر محیط ایک داستان ہے۔ ردا اس کا مرکزی کردار ہے۔ یہ داستان ردا کی زبانی سنئے۔

آج بھی نیلم کے گھر پر ذکر و فکر کی محفل تھی۔ بزرگ کی ہدایت پر سب نے روزہ رکھا تھا۔ ظہر سے عصر تک قرآن خوانی ہوئی پھر عصر سے مغرب تک حضور پاکؐ کی سیرت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی۔ مغرب سے کچھ پہلے محفل کا اختتام ہوا۔ دسترخوان بچھا کر افطاری لگا دی گئی۔ حسن اتفاق سے مجھے بزرگ کے نزدیک جگہ ملی جہاں میں سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ وہ سب کی نگاہوں کا مرکز تھے۔ میں بھی ان کے وجود سے اٹھتی غیر مرئی نورانی لہروں سے مغلوب انہیں دیکھ رہی تھی۔ سفید ریش، سفید لباس اور عود کی خوش بو کے ساتھ چہرہ پر سکون اور ملکوتی مسکراہٹ، سب ان کی شخصیت کے سحر میں باادب بیٹھے ہوئے تھے۔ اذان ہوئی اور بزرگ نے کھجور دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ میری طرف بڑھایا اور ایک سے خود افطار کیا۔

نیلم کے گھر والوں نے رشک بھری نظروں سے دیکھا اور میں شرمندہ سی خود کو سنبھالنے میں مصروف تھی۔ دل زور سے دھڑک رہا تھا جیسے جسم کی قید سے آزاد ہونا چاہتا ہو۔ نہ جانے ماحول کا اثر تھا یا کھجور میں خاص بات تھی کہ دھڑکن تیز ہوگئی۔ بزرگ نے شربت کا گلاس میری طرف بڑھایا جسے میں نے گھبراہٹ چھپانے کے لئے ایک سانس میں غٹا غٹ پی لیا۔ طبیعت میں یک دم ٹھہراؤ آیا اور دھڑکن معمول پر آ گئی۔

بچپن کا دور تھا بات آئی گئی ہوگئی۔ البتہ میری طبیعت رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقہ سے روحانی علوم کی طرف مائل ہونے لگی۔ میں گھنٹوں روحانی موضوعات پر کتابیں پڑھتی۔ ابو دیکھتے تو ناراض ہوتے۔ ان کے نزدیک میں غیر ضروری چیزوں میں وقت ضائع کر رہی تھی جب کہ میرے نزدیک روحانیت دین کی کنہ ہے۔ بہرحال وہ غصہ کا اظہار کرتے اور میں پیار سے ان کے گلے لگ جاتی۔ وہ غصہ بھول کر شفقت پدری سے میرا ماتھا چوم لیتے۔

وقت پانی کی مانند بہتا ہے۔ بچپن گزرا اور دیکھتے دیکھتے گریجویشن مکمل ہوگیا۔ اس وقت ابو کی پوسٹنگ

گلاسگو میں تھی اور میری تعلیم کی وجہ سے ہماری رہائش اسکاٹ لینڈ میں تھی۔ فاصلہ زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے ابو ہر ہفتہ گھر آتے۔ نیلم سے رابطہ میں تعطل آ گیا تھا۔

میرا بظاہر کوئی روحانی استاد نہیں تھا مگر کبھی کبھی شدت سے احساس ہوتا کہ میں کسی کے زیر سایہ ہوں اور ذہن ان بزرگ کی طرف چلا جاتا جن سے بچپن میں نیلم کے گھر پر ملاقات ہوتی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

قرآنی علوم کا جو حصہ معاد* پر مشتمل ہے اس میں روح سے متعلق علوم بیان ہوئے ہیں۔ مسلمان اگر تفرقہ کی دلدل سے نکل کر آزاد ذہن کے ساتھ تحقیق کریں تو وہ ''معاد'' سے واقف ہو کر دنیا پر حکم ران ہو جائیں گے۔ تاریخ شہادت فراہم کرتی ہے کہ ایسا ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی حکومت ثمرقند و بخارا سے لے کر مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ اور اندلس تک تھی۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی تھی کہ ذہن رفتہ رفتہ شکوک و شبہات سے آزاد ہو کر یقین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وجہ باقاعدگی سے قرآن کریم پر غور و فکر، مذہبی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مراقبہ کرنا تھا۔

علم حصولی کے زمرہ میں والدین کے مشورہ اور اپنی دل چسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے پوسٹ گریجویشن کے لئے ایڈن برگ یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ قدیم چیزوں اور گزشتہ ادوار کے مطالعہ کا بچپن سے شوق تھا، آرکیالوجی* کو بطور مضمون منتخب کیا۔ ڈیپارٹمنٹ آف آرکیالوجی میں تجربہ کار اور قابل اساتذہ کرام ذمہ داری انجام دے رہے تھے۔ ویسے تو تمام اساتذہ کا انداز مشفقانہ تھا مگر کاربن ڈیٹنگ کے استاد جناب جی آر چوہان سب سے الگ تھے۔ نفیس لباس، عمدہ وضع قطع اور منفرد شخصیت کے پیچھے نارنجی تھان میں لپٹا ایک ایسا شخص جس کی رسائی چند مخفی علوم تک تھی۔

واضح رہے کہ علم قیافہ، علم رمل، علم جفر اور ان جیسے دیگر علوم — یا عامل بن جانا، کسی ہم زاد یا جن کو معمول بنا لینا روحانی علوم کے زمرہ میں نہیں آتا۔ روحانی علوم کے حاملین اولیائے کرام کے نزدیک ان علوم کی حیثیت بھان متی سے زیادہ نہیں۔ روحانیت ارفع و اعلیٰ علم ہے اور کائنات کی رگِ جان ہے۔ یہ فرد کو حیوانی دائرہ سے نکال کر انسانی دائرہ میں داخل کرتا ہے۔

سر جی آر چوہان نے اپنی شخصیت سے جڑے اس رخ کا اظہار طلبہ سے کبھی نہیں کیا۔ ان کی عمر اور قابلیت کی وجہ سے سب بہت عزت کرتے تھے۔ وہ میرے آئیڈیل استاد تھے۔ کبھی کبھی ان کی آنکھوں میں خوف زدہ کرنے والی پُراسراریت نظر آتی۔ محسوس ہوتا کہ بات چیت کے دوران مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے ان کا انداز یک سر مختلف ہو جاتا ہے۔ بات کرتے ہوئے بارہا ان کی نظریں میرے سر کے عین اوپر ٹک

---

*معاد (عالم دنیا سے ماورا روحانی علوم) * آرکیالوجی (آثار قدیمہ کا علم)

جاتیں اور مجھے الجھن ہونے لگتی۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ فائنل امتحان نزدیک آ گئے۔ اساتذہ نصاب مکمل کروا چکے تھے۔ کلاسیں معطل ہوگئی تھیں۔ طلبا گھروں پر تیاریوں میں مصروف تھے۔ اساتذہ یونی ورسٹی کے اوقات میں طلبا کی راہ نمائی کے لئے اپنے دفتروں میں موجود رہتے۔

کاربن ڈیٹنگ* کے پرچہ سے متعلق راہ نمائی درکار ہوئی تو مقررہ اوقات میں یونی ورسٹی پہنچ گئی۔ پروفیسر جی آر چوہان کمرے میں تھے۔ پیون غیر موجود تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو میری جانب دیکھے بغیر بھاری اور کھردری آواز میں بولے، آؤ— آجاؤ۔ جھجکتے ہوئے کمرے میں داخل ہوگئی۔

بیٹھ جاؤ۔ میز پر دو کپ رکھے تھے جن میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ قصداً دائیں جانب والی کرسی پر بیٹھنے لگی تو انہوں نے اشارہ کیا یہاں نہیں، سامنے کرسی پر بیٹھو، ایک کپ تمہارے لئے ہے۔

استاد کی پذیرائی طالب علم کے لئے خاص تکلف کا باعث ہوتی ہے۔ انکار کرنا بے ادبی تھا۔ میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گئی۔

پہلے سبز چائے پی لو پھر آنے کی وجہ بتانا۔ گویا سبز چائے پینا امتحان بن گیا جس کے بعد سوال پوچھنے کی اجازت ملے گی۔ آج بھی ان کی نظریں میرے سر کے عین درمیان تھیں اور مجھے دماغ سن ہوتا محسوس ہوا۔

قہوہ کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے میں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ سر! کچھ نکات ہیں جن کو سمجھنا چاہتی ہوں۔

میں بیگ سے کاغذات نکال رہی تھی کہ انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے روک دیا۔ مخصوص انداز تدریس کے ساتھ کاربن کے آئسو ٹوپ ریڈیو کاربن تھرٹین اور ریڈیو کاربن فورٹین کو مدلل انداز میں بیان کرتے ہوئے ہر اس نکتہ کی وضاحت کرتے گئے جن پر میں نے نشان لگایا تھا۔ مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ حیرت کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ بات ختم کرکے وہ مسکراتے ہوئے مجھے دیکھنے لگے۔

میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ ایک بار پھر ہاتھ کے اشارہ سے روکتے ہوئے بولے، چھوڑو بی بی! ریڈیو کاربن ڈیٹنگ کے چکر میں پڑ گئی ہو۔ مجھے دیکھو! میں تمہارے سچے موتیوں کے رنگ والے بیگ کی تاریخ بغیر ریڈیو کاربن ڈیٹنگ کے بتا سکتا ہوں۔ یہ تمہارے والد نے ٹھیک ایک سال دو ماہ اور سولہ دن پہلے تمہاری والدہ کے لئے ڈیوک اسٹریٹ گلاسگو سے خریدا تھا۔ کہو تو دکان دار کا نام بتادوں؟

حیرت اور خوف کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ سکتہ کی سی کیفیت تھی جسے ان کے ہلکے قہقہہ نے توڑا۔

خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا، سر! آپ جادوگر تو نہیں؟ بولے، جو جی چاہے سمجھو مگر کسی سے کہنا نہیں ورنہ

---

* کاربن ڈیٹنگ (کاربن کے تابکاری مادہ کی مقدار ناپ کر آثار قدیمہ کی عمر کا اندازہ لگانا)

نقصان تمہارا ہوگا۔ انداز پُراسرار تھا۔ خوف کی لہریں جسم سے گزر گئیں۔

جھجکتے ہوئے کہا، سر ایک بات پوچھوں؟

ضرور، ضرور پوچھو۔

آپ میرے سر کی طرف بار بار کیوں دیکھتے ہیں؟

اوہ! بڑا مشکل سوال پوچھ لیا۔ جواب دوں گا مگر تمہیں بھی میرے سوال کا جواب دینا ہوگا۔

سر آپ کو سب معلوم ہے، سوال کی کیا ضرورت۔

کبھی کبھی ہمیں بھی سوال کی ضرورت پڑ جاتی ہے جب ہمارے سامنے تم جیسے لوگ آجاتے ہیں۔

سر میں سمجھی نہیں۔

پروفیسر صاحب نے خاموشی سے جھک کر دراز کھولی اور سرخ رنگ کے کاغذ کا ٹکڑا میز پر موجود سفید کاغذ پر رکھتے ہوئے بولے، پلکیں جھپکائے بغیر غور سے دیکھو۔

چند منٹوں میں سرخ رنگ کے اطراف گہرے سبز رنگ کا ہالہ نظر آیا۔ یہ حیرت انگیز سرگرمی تھی۔ وہ بار بار کاغذ بدل کر رنگ تبدیل کر دیتے۔ اور مجھے سرخ کے گرد سبز اور سبز کے گرد سرخ، نیلے کے گرد پیلا اور پیلے کے گرد نیلے رنگ کے ہالے دکھائی دیتے رہے۔ ان کی کرسی کے عین پیچھے دیوار پر وائٹ بورڈ ضرورت کے پیش نظر آویزاں تھا۔ مڑ کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولے، تمہارے اندر ارتکاز توجہ کی زبردست صلاحیت ہے، یہ بات بعض اوقات الجھن میں مبتلا کر دیتی ہے۔

ان کی عجیب وغریب باتیں سمجھنے سے قاصر تھی۔

سر سے ٹوپی اتار کر میز پر رکھی اور کہا، اب میرے سر کو دیکھو جیسے کاغذ کو دیکھا تھا۔ میں الجھن کا شکار تھی خوف کے ساتھ تجسس بھی موجود تھا۔ سر کے عین درمیان نظر جمادی۔ کچھ دیر میں سیاہی مائل کثیف ہالہ دکھائی دیا۔ نظر میں مزید گہرائی پیدا ہوئی تو ہالہ میں خدوخال واضح ہونے لگے۔ کمرے کی ڈائی مینشن نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ پھر ہالہ ان کے جسم سے علیحدہ ہوکر میری جانب بڑھا تو خوف سے میری چیخ نکل گئی اور گھبراہٹ میں کرسی سے گرتے گرتے بچی۔ پروفیسر صاحب کے چہرہ پر حیرت اور مجھ پر خوف کا غلبہ تھا۔ میں فوراً کرسی سے اٹھی اور دروازہ کی طرف مڑنے لگی کہ وہ جلدی سے بولے، ارے بیٹا بیٹھو، میرے سوال کا جواب باقی ہے۔

اس بار انہوں نے انگریزی کے بجائے اردو میں کہا، اپنے گرو کا نام بتاؤ، وہ کون ہیں؟

میں سوال کے سیاق وسباق سے ناواقف تھی۔ یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ انہیں اردو آتی ہے۔

سر! میرا تو کوئی گرو نہیں۔ آپ لوگ ہیں جن سے پڑھ رہی ہوں۔ ان کے چہرہ پر عجیب تاثرات پیدا ہوئے لیکن وہ جان گئے ہوں گے کہ میں نے غلط بیانی نہیں کی۔ بیگ اٹھا کر خاموشی سے باہر آگئی۔ ان کا پیون دیپک گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

میں نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

پروفیسر چوہان کی آواز دماغ میں گونجتی رہی کہ ان باتوں کا کسی سے تذکرہ نہیں کرنا۔ کئی دن خوف کا غلبہ رہا

پھر امتحان شروع ہوگئے۔ایک آدھ مرتبہ وہ یونی ورسٹی میں دکھائی دیئے تو میں نے راستہ بدل لیا۔

پوسٹ گریجویشن مکمل ہوا اور ہائر ایجوکیشن کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پرانے اساتذہ کی جگہ نئے اساتذہ آ گئے۔کلاس کا مقام بدل گیا اور کلاس فیلوز بھی چند ایک کے سوا سب نئے تھے۔

اسکاٹ لینڈ کو جھیلوں اور سرسبز پہاڑوں کے ساتھ وادیوں کی سرزمین کہا جائے تو غلط نہیں۔اس کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ایک جانب بحیرہ شمالی (North Sea) تو دوسری جانب بحر اوقیانوس ہے۔ساحلی پٹی تقریباً نو ہزار کلومیٹر پر محیط ہے۔سفید رنگت، سرخ بال، لمبے قد اور چھریرے بدن رکھنے والے لوگوں کا یہ ملک تاریخی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔اسی سبب سے ملک کے زرمبادلہ کا بڑا حصہ سیاحت سے حاصل ہوتا ہے۔یہاں جولائی سے دسمبر کے دوران بڑے بڑے میلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے جن میں نامی گرامی فن کار اور بازی گر مہارت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ان میلوں میں ایڈنبرا انٹرنیشنل فیسٹیول اپنی مثال آپ ہے جس میں دنیا بھر سے کثیر تعداد میں سیاح شرکت کرتے ہیں۔

264 مربع کلومیٹر پر مشتمل اسکاٹ لینڈ کا دارالخلافہ ایڈن برگ خوب صورت اور سرسبز ہونے کی وجہ سے جنت کا ٹکڑا ہے۔سو سے زائد پارک اور لاتعداد درخت ہیں۔ایڈن برگ یونی ورسٹی 1582ء میں شہر کے قلب میں قائم ہوئی۔ ہماری رہائش چیپل اسٹریٹ پر تھی جو ایڈن برگ کا جنوبی علاقہ تھا اور یونی ورسٹی کے نزدیک واقع تھا۔

وقت گزرتا رہا، اس دوران کئی رشتے آئے مگر والدہ شادی پاکستان میں کرنے کی خواہش مند تھیں اس لئے غور نہیں کیا گیا۔ ایم ایس کا کورس ورک مکمل ہوا تو ریسرچ کا آغاز ہوگیا۔تحقیق کے لئے ایڈن برگ میں بہت سی جگہیں ہیں جہاں تاریخ اپنے ورثہ کے ساتھ دفن ہے۔بڑی محنت اور جاں فشانی سے تحقیقی مقالہ مکمل ہوا۔ اس دوران اکثر پروفیسر صاحب کی آواز دماغ میں گونجنے لگتی۔مراقبہ کرنے سے مشق ہوگئی تھی کہ میں ذہن کو دوسری طرف یا قرآن کریم کی کسی آیت پر مرکوز کردیتی۔نتیجہ میں پروفیسر صاحب کی آواز پس منظر میں چلی جاتی۔ یہ وہ علاج تھا جو ان سے دور رہنے کے لئے میں نے اختیار کیا تھا۔ایڈن برگ یونی ورسٹی میں ساتھی طلبا سے معلوم ہوا کہ پروفیسر جی آر چوہان پنڈت بھی ہیں مگر میں نے بات کا رخ تبدیل کردیا۔

ہائر ایجوکیشن کا آخری مرحلہ ایم ایس کی تکمیل کے ساتھ شروع ہوگیا۔وقت نے گزرنے کا احساس نہیں ہونے دیا۔ہوش اس وقت آیا جب ڈاکٹریٹ کی ڈگری میں کچھ عرصہ رہ گیا تھا کہ ابو کا تبادلہ اچانک پاکستان ہوگیا اور حالات اس طرح تبدیل ہوئے کہ ہمیں فوری طور پر پاکستان منتقل ہونا پڑا۔ (قسط: ۱)

ڈاکٹر عمران خان

# کونسلنگ اور.....

مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔ بچہ سو گیا ہے، اٹھ نہیں رہا۔ جب تک آپ اسے نہیں جگائیں گے، میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔

---

محترم عظیمی صاحب کتاب ''محمد رسول اللہؐ جلد سوم'' میں لکھتے ہیں کہ،

''ایک شخص کی بکریوں نے کھیت میں کھڑی فصل کو چرلیا اور حضرت داؤدؑ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ کھیت کے مالک نے بکریوں کے مالک پر تاوان کی ادائیگی کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت داؤدؑ نے فیصلہ سنایا کہ فصل کی مالیت چوں کہ بکریوں کی قیمت کے برابر ہے اس لئے بکریاں بطور تاوان کھیت کے مالک کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنے والد محترم سے عرض کیا: ابا جی اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے سے ایک فریق کا فائدہ ہوگا اور دوسرا فریق اپنی عمر بھر کی پونجی سے محروم ہو جائے گا۔ مناسب یہ ہے کہ بکریوں کا مالک کھیت میں ہل چلائے، گوڈی کرے، پانی دے، دیکھ بھال کرے اور جب کھیتی پک کر تیار ہو جائے تو پوری فصل کھیت کے مالک کو دے دی جائے۔ اس دوران بکریاں کھیت کے مالک کے پاس رہیں، وہی بکریوں کا دودھ استعمال کرے، اون کو اپنے کام میں لائے یعنی بکریوں پر اسے ہر قسم کا تصرف حاصل ہو اور جب بکریوں کا مالک فصل دے دے تو اسے بکریاں واپس کر دی جائیں۔''

حضرت سلیمانؑ کے لڑکپن کا یہ واقعہ راہ نمائی یعنی کونسلنگ کے ضمن میں غور طلب ہے۔ انہوں نے مسئلہ کا دانش مندانہ حل پیش کیا۔ فہم و دانش اور علم و حکمت انہیں کیسے عطا ہوئی—؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور اسی نعمت سے ہم نے داؤد و سلیمان کو سرفراز کیا، یاد کرو وہ وقت جب دونوں ایک کھیت کے مقدمہ کا فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کو دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں اور ہم ان کی عدالت خود دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ہم نے سلیمان کو صحیح فیصلہ inspire کیا، حالاں کہ حکمت اور علم ہم نے دونوں کو عطا کیا تھا۔'' (الانبیآء:۷۸۔۷۹)

بیٹے نے باپ کی راہ نمائی کی اور بیٹے کو راہ نمائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی۔

قرآن کریم سے کونسلنگ یا راہ نمائی کے ضمن میں

متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پاکؐ سے فرمایا،

''کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے۔ اس کی بات یا تو وحی کے طور پر ہوتی ہے یا پردہ کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغام بر بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔ وہ برتر اور حکیم ہے۔ اور اس طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے۔ تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنادیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ یقیناً تم سیدھے راستہ کی طرف راہ نمائی کرتے ہو۔''

(الشوریٰ: ۵۱۔۵۲)

ضمیر ــــ نورِ باطن ہے اور الہامی تعلیمات کی روشنی میں راہ دکھاتا ہے۔ ضمیر عالم گیر ہے کہ زندگی کے ہر مرحلہ اور شعبہ میں صلاح و مشورہ دیتا ہے۔ ضمیر سے گفتگو کی جائے تو بڑی سے بڑی پریشانی رائی کا دانہ بن جاتی ہے۔ کونسلنگ کا شعبہ قدرت کے نظام میں شامل ہے۔ ایسی ہستی سے راہ نمائی لی جائے جو جہاں دیدہ ہو اور زمانہ کی بصیرت رکھتا ہو۔

جب حضور اکرمؐ کی عمر 35 سال تھی، خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی اور اسی سال سیلاب اس کے کچھ حصوں کو بہا لے گیا۔ خانہ کعبہ کی از سرنو تعمیر کے بعد جب حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آیا تو قریش کے دس قبیلوں کے درمیان شدید اختلاف ہوگیا۔

''ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ حجر اسود کو خانہ کعبہ میں لگانے کا اعزاز صرف اسے حاصل ہونا چاہئے۔ اس قضیہ کا حل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نکالا کہ ایک چادر منگوا کر حجر اسود کو اس چادر پر رکھ دیا اور قریش کے سرکردہ لوگوں نے اس چادر کو چاروں طرف سے پکڑ کر اٹھایا اور خانہ کعبہ کی دیوار تک لے گئے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس چادر کا ایک کونہ اپنے ہاتھ میں تھاما اور قریش کے دوسرے لوگوں کی مدد سے حجر اسود کو خانہ کعبہ کی دیوار تک پہنچا کر نصب کردیا۔'' (کتاب: محمد رسول اللہؐ جلد اول)

راہ نمائی اور صلاح و مشورہ کی یہ ایک بہترین مثال ہے جس کے سبب قبائل بڑے تنازعہ سے محفوظ رہے اور اتحاد کی مثال قائم ہوئی۔

تمام مذاہب میں حسن اخلاق کی اہمیت ہے اور یہ حقوق العباد کا اہم جز ہے۔ حضور پاکؐ کا ارشاد ہے،

''میں تمہیں اس آدمی کی پہچان بتاتا ہوں جس پر جہنم کی آگ حرام ہے اور وہ آگ پر حرام ہے۔ یہ وہ آدمی ہے جو نرم مزاج، حلیم الطبع اور نرم خو ہے۔''

نبی کریمؐ کسی سے ملاقات فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہوجاتے اور کوئی آپؐ سے بات کرتا تو یک سوئی سے بات سنتے تھے۔

مضمون میں کونسلنگ کی اہمیت بیان کرنا مقصد ہے کہ کسی بھی مسئلہ کا حل بات چیت سے ممکن ہے۔ زور زبردستی، ڈانٹ ڈپٹ کرکے وقتی طور پر معاملہ رفع دفع

ہوجاتا ہے لیکن مسئلہ حل نہیں ہوتا — بڑھ جاتا ہے کیوں کہ فریقین مطمئن نہیں۔

الہامی تعلیمات میں زندگی کے ہر شعبہ کے لئے راہ نمائی ہے اور مثالیں بیان کر کے فرد کو سکھایا گیا ہے کہ جب اپنی اور کسی کی کونسلنگ کرنا پڑے تو وہ کون سا راستہ اختیار کرے۔ مندرجہ بالا واقعات اور آیات میں وضاحت موجود ہے۔

کونسلنگ کا طریقہ صدیوں سے رائج ہے۔ گزرے ہوئے ادوار میں حکمت سے واقف افراد کا خیال تھا کہ صرف جسمانی علامات کو دیکھتے ہوئے علاج ممکن نہیں، مرض کو جڑ سے نکالنے کے لئے ذہن میں موجود سبب تک رسائی ضروری ہے۔ صحت مند افراد متوازن انداز میں حالات کا تجزیہ کرتے ہیں، وہ جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو نہیں پرکھتے۔

وضاحت بگھی کی مثال سے دی جاسکتی ہے جس میں دو گھوڑے جتے ہوئے ہیں — ایک جذبہ کا اور ایک دلیل کا۔ جذبہ کا گھوڑا ہمیں خواہشات کی طرف کھینچتا ہے لیکن دلیل کا گھوڑا خواہشات کا تجزیہ کرتا ہے کہ آیا کون سی خواہش مناسب ہے اور کون سی نہیں۔

دسویں صدی کے مفکر البلخی اور طبیب زکریا رازی جب کہ گیارہویں صدی کے عالم ابو حامد الغزالیؒ نے معاملات میں راہ نمائی اور رویوں میں تبدیلی کے لئے صاحبِ علم وبصیرت سے مشورہ لینے کو اہمیت دی۔

خصوصاً البلخی نے اپنے مسودہ ''روح کی غذا'' میں زندگی میں ایسے شخص سے راہ نمائی لینے پر زور دیا ہے جو اعمال و افعال کا جائزہ لے کر قدم بہ قدم چلتے ہوئے اندرونی کیفیات کی تصحیح کرے۔ اس کا کہنا تھا کہ،

''ہم خود کو اچھا سمجھتے ہیں اس لئے اپنی بری عادات سے واقف نہیں ہوتے۔ ایسے میں ایک دوست یا مہربان کی موجودگی لازم ہے جو نشان دہی کر کے بری عادت کو بدلنے میں مدد کرے۔ حقیقی سکون دل و دماغ کے منور ہونے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ اپنے نفس سے واقف ہوئے بغیر ممکن نہیں۔''

بیش تر مسائل اور بیماریاں باتوں سے تخلیق ہوتی ہیں اور ان بیماریوں کا علاج بھی باتوں سے ہوتا ہے اس لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ آدمی آدمی کی دوا ہے۔

کسی سے بات کر کے دل ہلکا محسوس ہوتا ہے، کہہ نہ سکیں تو دل پر بوجھ پڑتا ہے جب کہ کچھ لوگوں سے بات کر کے ذہن اور دل دونوں بھاری ہوجاتے ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص بظاہر بارعب اور تعلیم یافتہ دکھائی دے لیکن بات کر کے شخصیت کا تاثر زائل ہوجاتا ہے۔ طرز گفتگو شخصیت کا عکس ہے۔ خوش آواز آدمی کی آواز تسخیر کا کام کرتی ہے۔ بعض افراد بات کرتے ہیں تو لوگ انہیں شوق سے سنتے ہیں کیوں کہ لہجہ حلیم، الفاظ میں ہم دردی اور جذبات میں محبت کی چاشنی ہوتی ہے — ان کا ہر لفظ اکسیر بن جاتا ہے۔

زبان سے نکلا ہوا ہرلفظ ریکارڈ ہوتا ہے۔ فرد جن الفاظ میں بات کرتا ہے، اس مناسبت سے خارج ہونے والی روشنی اس کے گرد ہالہ بنالیتی ہے اور وہ اس ہالہ میں زندگی بسر کرتا ہے۔

باتیں اہم ہیں ــــ اگر ان کا مقصد اپنی اور دوسروں کی زندگی سنوارنا ہو۔ معالج اپنے پیشہ سے مخلص اور سمجھ دار ہو تو مریض کا آدھا علاج باتوں سے کر لیتا ہے۔ اگر وہ مریض کی بات غور سے سن کر یقین دہانی کرائے کہ تم جلد صحت یاب ہوجاؤ گے تو مریض کا ذہن بیماری سے ہٹ کر صحت یابی کی لہروں پر مرکوز ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس حقیقی واقعہ پڑھئے۔

ایک خاتون نے معالج کو خون کی رپورٹ دکھائی۔ رپورٹ دیکھ کر ڈاکٹر کے چہرہ پر پریشانی آگئی۔ اس کے بعد معالج نے جو کچھ کہا خاتون کو یاد نہ رہا۔ یاد تھا تو اتنا کہ معالج نے میری رپورٹ دیکھ کر پریشانی کا اظہار کیا۔ کیا میرا علاج ممکن ہے ــــ؟

بیماری سنگین ضرور تھی لیکن لاعلاج نہیں کیوں کہ ایسے مریض ہیں جو اس مرض سے صحت یاب ہوچکے ہیں۔ خاتون کو گھر میں سازگار ماحول ملا نہ معالجین نے اس بات کا خیال رکھا کہ بیماری سے لڑنے کے لئے مریضہ کے اندر یقین پیدا ہو۔ بیماری نے طول پکڑا اور آج وہ خاتون دنیا میں نہیں۔ کونسلنگ ہوجاتی تو ممکن ہے کہ خاتون کے اندر بیماری سے لڑنے کی ہمت پیدا ہوتی۔

خیالات سے محسوسات اور رویوں کا تعین ہوتا ہے۔ منفی خیال سے ذہن پر دباؤ پڑتا ہے جس سے حالات کو دیکھنے کے زاویہ میں توازن قائم نہیں رہتا۔ فرد بھنور میں پھنس جاتا ہے اور بھنور تکرار ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کے ساتھ خود سے بھی بدگمان ہوجاتے ہیں۔

نفسیات اور رویوں پر تحقیق کرنے والے ماہرین کہتے ہیں کہ دماغی امراض کے علاج کا ایک طریقہ گفتگو ہے۔ گفتگو کے ذریعے غصہ، ڈپریشن، صدمہ، افسردگی، بے چینی، کھانے پینے میں بداحتیاطی، خوف، نیند کا نہ آنا، شیزوفرینیا اور تناؤ کے علاج کے ساتھ جسمانی امراض کا علاج بھی ممکن ہے۔ عظیمی صاحب نے کینسر کا ایک علاج مرض سے گفتگو تجویز کیا ہے۔ تفصیل کتاب ''رنگ و روشنی سے علاج'' میں موجود ہے۔

مشورہ لینے اور دینے کے لئے گفتگو کا مثبت ہونا ضروری ہے۔ بات سن کر مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے ساتھ تنقید سے گریز کرنا چاہئے۔ کوشش کی جائے کہ منفی رویہ مثبت ہو۔ مقصد فرد کو قابل بنانا ہے کہ وہ غیر جانب داری سے حالات کا تجزیہ کرنا سیکھے اور معاملات کو حل کرنے کا اہل ہو۔

مکتب میں ایسے بچہ کا داخلہ ہوا جسے چوری کی عادت تھی۔ دوسرے طالب علموں کی چیزیں غائب ہونے لگیں تو سب پریشان ہوگئے۔ تلاشی لی گئی تو بچہ کے پاس سے اشیا برآمد ہوئیں۔ استاد سے شکایت کی گئی۔ انہوں نے معاملہ رفع دفع کردیا۔ چوری کے واقعات

بڑھے تو ایک روز تمام طالب علم استاد کے پاس گئے اور کہا کہ اسے مکتب سے نکال دیں ورنہ ہم یہاں نہیں پڑھیں گے ۔ استاد نے تحمل سے بات سنی اور فرمایا، تم سب قابل ہو، تمہیں کسی بھی مکتب میں آسانی سے داخلہ مل جائے گا لیکن اسے کون رکھے گا ؟ تم جاسکتے ہو — میں اسے نہیں نکال سکتا۔

یہ گفتگو متعلقہ شاگرد بھی سن رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سمندر بن گئیں — آگے بڑھا اور استاد کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ استاد اگر نا سمجھ ہوتا تو شاگرد کو سب کے سامنے ڈانٹتا اور بے عزت کرتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اسے شاگرد کی اصلاح کرنا تھی اور اصلاح ٹھنڈے دماغ، حکمت اور ایثار سے ہوتی ہے۔

کسی عورت کی اکلوتی اولاد مر گئی۔ بچہ کی موت کو قبول نہیں کیا اور لوگوں کو تدفین سے روک دیا کہ میرا بچہ سو رہا ہے، تھوڑی دیر میں اٹھ جائے گا۔

ماں کی تسلی کے لئے لوگ مردہ جسم کو طبیب کے پاس لے گئے۔ طبیب بولا، جسم بے جان ہے۔

ماں نے منتیں کیں کہ کوئی دوا دے دو۔

طبیب بولا، دوا سے زندگی ملتی تو سب زندہ رہتے۔

ماں کی تسلی کے لئے مشورہ دیا گیا کہ قریب بدھا صاحب رہتے ہیں، ان کے پاس لے جاؤ۔

وہ فوراً ان کے پاس پہنچی اور بچہ قدموں میں رکھ دیا۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ میری مدد کر سکتے ہیں ۔ بچہ سو گیا ہے، اٹھ نہیں رہا۔ جب تک آپ اسے نہیں جگائیں گے، میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔

بدھا صاحب عورت کی حالت دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور کچھ سوچتے ہوئے فرمایا — ٹھیک ہے، رائی کے دانوں کی ضرورت ہوگی مگر دانے اس گھر سے لے کر آنا جہاں کسی نے کبھی اپنے پیارے کو دفنایا نہ ہو ورنہ دوا تیار نہیں ہوگی۔ عورت بے قراری کے عالم میں دوڑی اور علاقہ کے ہر گھر پر فریاد کی۔ صبح سے شام ہوگئی لیکن ایسا کوئی گھر نہ ملا جہاں موت نے دستک نہ دی ہو۔ سب نے کہا کہ ہماری نسل میں مرنے والوں کی تعداد زندہ رہنے والوں سے زیادہ ہے۔

وہ تھکے قدموں واپس آئی اور کہا، میں جان گئی ہوں کہ موت ہر ایک پر آتی ہے۔ آپ نے میری مدد کی، شکریہ۔ اس نے خاموشی سے بچہ کو اٹھایا اور لوگوں سے کہا کہ اسے دفنا دو۔

ہر فرد دوسرے کے جذبات و احساسات کو سمجھ کر مدد کر سکتا ہے۔ گاڑی میں جاتے ہوئے کوئی گاڑی تیزی سے گزر جائے تو لوگ برا مناتے ہیں اور اس گاڑی کا تعاقب کر کے ریس لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص گاڑی غلط چلا رہا ہو تو ہم اس کے قریب گاڑی لا کر رفتار آہستہ کر کے اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

۱) ہم نہیں جانتے کہ گاڑی میں بیٹھا فرد کون ہے۔

۲) ہوسکتا ہے ایمرجنسی کے سبب وہ گاڑی تیز چلا رہا ہو۔
۳) وہ شخص ایسے مسئلہ میں الجھا ہوا ہو جس سے نکلنے کا سبب سامنے نہ ہو۔

غلط یا تیز گاڑی چلانا درست نہیں لیکن — بعض واقعات میں فرد ہنگامی حالت کے سبب ایسا کرتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ جس پر ہمیں غصہ آیا، وہ مشکل حالات سے دوچار ہے جس سے ہم واقف نہیں۔ اس کو آنکھیں دکھا کر گاڑی آگے بڑھا دینے سے کیا حاصل ہوا — ؟ اگر وہ ذہنی طور پر الجھا ہوا ہے تو ہمارا رویہ اسے مزید ذہنی چپقلش میں الجھا دیتا ہے اور ہم دوا بننے کے بجائے مرض کو بڑھا دیتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص خودکشی کے ارادہ سے دریا کے اوپر بنے پل پر کھڑا تھا۔ کسی نے اسے اس طرح کھڑے دیکھا تو سمجھ گیا کہ ذہنی کیفیت درست نہیں۔ دوڑ کر پاس گیا اور باتیں کر کے یقین دہانی کرائی کہ میں تمہارا ہم درد ہوں، خودکشی مسئلہ کا حل نہیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی بات چیت کے بعد وہ شخص پل سے اتر گیا اور اپنے ہم درد کے گلے لگ کر رونے لگا۔

ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی بات سنی جائے لیکن دوسرے کی بات سننے کا کسی میں یارا نہیں۔ ڈپریشن کے مریضوں کی تعداد میں اضافہ کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی بات سننے والا کوئی نہیں۔ موبائل فون اور سوشل میڈیا کے اس دور میں ایک دوسرے سے بات کرنے کا رجحان کم ہوگیا ہے۔ شادی بیاہ، عید، اور دیگر محفلوں میں لوگ گھلنے ملنے کے بجائے موبائل میں زیادہ مصروف نظر آتے ہیں۔ اخلاقی تقاضا ہے کہ جب کوئی مخاطب ہو تو بات توجہ سے سنی جائے۔ وگرنہ فرد زچ ہو کر مزید الجھ جاتا ہے۔

کوئی دوست ایسا ہو جس سے آپ دل کی بات کہہ سکیں، اور خود بھی ایسا دوست بننے کی کوشش کریں جس سے بندہ بے خوف ہو کر ذاتی معاملہ میں مدد لے سکے۔ دوسروں کی بات توجہ سے سنیں۔ اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ کسی کی کہی ہوئی بات دوسرے کو نہ بتائیں اس سے جذبات مجروح ہوتے ہیں اور اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

پہلے بڑے اور بچے مل کر بیٹھتے تھے۔ مسائل پر بات ہوتی تھی۔ بچے بڑوں کی گفتگو سے سیکھتے تھے۔ کھانے کی میز پر دن میں گزرے ہوئے تجربات ایک دوسرے کو بتائے جاتے۔ معلوم ہو جاتا تھا کہ کون خوش ہے اور کون افسردہ یا الجھا ہوا ہے۔ کسی کو نفسیاتی مدد کی ضرورت ہوتی تو اس کا اہتمام گھر میں ہو جاتا۔

مشاورتی ماحول کی تخلیق میں والدین کا کردار اہم ہے۔ والدین کو چاہئے کہ بچوں سے دوستی کریں تاکہ بچے باہر سہارے ڈھونڈنے کے بجائے مسائل کے لئے ماں باپ سے رجوع کریں۔ کسی کو صلاح و مشورہ دینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہماری اپنی تربیت ہو۔ اور تربیت کا سورس — قرآن کریم پر تفکر ہے۔

فضل حق قریشی

# موئن جودڑو

نیز کہنا پڑتا ہے کہ عصر جدید کے بعض شہر پانچ ہزار سال پہلے کے موئن جودڑو کا نقش ثانی ہیں۔ اگر ان شہروں کا شمار دنیا کے بہترین شہروں میں ہوتا ہے تو اصولی اعتبار سے یقیناً وادی سندھ کی اس قدیم ترین بستی کے متعلق بھی یہی رائے قائم کرنی پڑے گی۔

---

خاک میں پنہاں ہونے والی صورتوں کے ساتھ ان کے لوازمِ حیات، تمدن اور تہذیب کے مرقعے، عشرت کدے، عبادت گاہیں، خزانے اور جاہ وحشم بھی خاک میں پنہاں ہو جاتا ہے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال گزرنے کے بعد حسن اتفاق سے محقق کا دماغ اور مزدور کی کدال زمین کا سینہ چیر کر اس کائنات کو دیکھنے والے کی آنکھ کے سامنے بالکل غیر متوقع طور پر اس طرح نمایاں کر دیتی ہے جیسے یونانی صنمیات کے مشہور کردار کیڈمس نے اژدہے کے دانت زمین میں بو کر چشم زدن میں ایک پوری فوج پیدا کر دی تھی۔

1924ء سے قبل کون جانتا تھا کہ وادی سندھ میں ضلع لاڑکانہ کے قریب ڈوکری کے مقام پر وہ ٹیلے جن پر بادی النظر میں خس وخاشاک کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، اپنی گہرائیوں میں ایک ایسی قوم کی تہذیب کے نقوش چھپائے ہوئے ہیں جن کا انکشاف قدیم ہند کی اس تاریخ کو ایک بار پھر لوگوں کے لئے زندہ کر دے گا۔ وہ اوراق پارینہ جن پر عصر جدید کے ارباب عقل کی جملہ ثقافتی معلومات کا دارومدار ہے۔

اللہ بھلا کرے ان ماہرین آثار قدیمہ کا جن کی سعی و کاوش نے موئن جودڑو کے قدیم مدفن کو تلاش کر کے پانچ ہزار سال پہلے کے وہ عجائبات پیش کر دیئے جن کو دیکھ کر مؤرخین اپنے صدہا نظریے تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے کیوں کہ پہلے پہل یہی بتایا جاتا تھا کہ ولادت مسیح سے پندرہ سو برس پہلے جب شمالی سمت میں بسنے والی آریائی قوم ہندوستان میں داخل ہوئی تو یہاں وحشی قبائل کے خانہ بدوش افراد کے سوا کسی مہذب فرد یا قوم کا وجود نہیں تھا۔

موئن جودڑو کے کھنڈرات اور ان کے منہدم بام ودر میں دبے ہوئے ظروف، سکّے، مہریں، مورتیں اور دوسری چیزیں ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اس عہد کے لوگ تہذیب وتمدن کے اعتبار سے مصر وشام، بابل و نینوا، یونان و روما میں بسنے والوں کے ہم پلہ تھے اور

ان سے تجارتی میل جول رکھتے تھے۔

موئن جو دڑو ایک لفظ نہیں، سندھی زبان کے تین لفظوں کا مجموعہ ہے۔ موئن (مرنے والوں)، جو (کا) اور دڑو (ٹیلا) یعنی مرنے والوں کی بستی ہے۔

کھدائی سے پہلے اس مقام کی حالت پر غور کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ اونچے نیچے ٹیلے اور زمین میں دبے ہوئے مکانات کی کہیں کہیں نظر آنے والی دیواروں کے سرے خوف ناک منظر پیش کرتے تھے۔ مقامی لوگوں میں توہم پرستی کی بنا پر مشہور تھا کہ کسی زمانہ میں اس جگہ شیطان صفت لوگ آباد تھے جو مذموم حرکتوں کے باعث ہلاک ہوگئے تھے۔ اب ان کے ہم زاد اس جگہ گھومتے پھرتے ہیں۔ چناں چہ دن کے وقت بھی لوگ اس طرف سے گزرنے سے گریز کرتے تھے۔ بچوں کو اس نام سے ڈرایا جاتا تھا کہ وہ موئیاں دا دڑو یعنی مرنے والوں کا گھر ہے۔

عہد عتیق کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تہذیب وتمدن میں ان قوموں نے زیادہ عروج حاصل کیا جو دریا کے کنارے یا دوآبوں کی سرزمین پر آباد تھیں۔ اس صورت میں وہ آدمی کی بنیادی ضرورت یعنی پانی اور زرخیزی زمین کے باعث دیگر وسائل معاش کی طرف سے بڑی حد تک بے فکر ہوکر اپنی توجہ ان لطیف کاموں کی طرف مبذول کر سکتے تھے جن پر ذہن پیٹ بھرے ہونے کی صورت میں جاتا ہے۔ چناں چہ مصر میں نیل، عراق میں دجلہ وفرات، مغربی ایران میں قارن اور سیستان میں ہلمند ایسے دریا ہیں جو اس ضمن میں نظر انداز نہیں کئے جاسکتے۔

مذکورہ دریاؤں کے کنارے نشوونما پانے والی تہذیبیں بعض لحاظ سے مشابہ ہونے کے ساتھ چند انفرادی خصوصیات بھی رکھتی ہیں اسی لئے ان میں امتیاز قائم کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ مثلاً ان قدیم ملکوں کی زبانیں اس مرکزی خیال کے باوجود کہ سب نے خیالات کو تصویری علامات کے ذریعہ پیش کیا، ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔ چناں چہ جب ایلام اور میسوپوٹامیا (قدیم عراق) کی کھدائی کے بعد پانچ عدد مٹی کی تختیاں برآمد ہوئیں جن پر غیر مانوس الفاظ و حروف کے ساتھ بیلوں کی تصاویر کندہ تھیں تو فوراً سمجھ لیا گیا کہ یہ کسی دوسری سرزمین سے آئی ہیں۔ اسی طرح وادی سندھ کی کھدائی کے بعد یہ راز بھی منکشف ہوگیا کہ ان کو صرف موئن جو دڑو کے نام سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کاتنے اور بُننے کے فن سے سندھ اور نیل کی وادی کے رہنے والے بیک وقت واقف تھے۔ مگر یہاں روئی اور سن کا استعمال ایسی امتیازی خصوصیات رکھتا تھا کہ اگر کوئی حنوط شدہ لاش مصر کے علاوہ کسی اور مقام سے برآمد ہوتی تو اس پر لپٹی ہوئی سن کی پٹیاں فوراً بول اٹھتیں کہ مرنے والا مصری النسل تھا۔ لیکن اگر سن کی بجائے سوتی پٹیاں

ہوتیں تو پھر مسئلہ غور طلب ہو جاتا۔

موئن جو دڑو کی کھدائی کے بعد عمارتوں کا ایک شہر برآمد ہوا ہے جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ کے لوگ فن تعمیر میں کس قدر ماہر تھے۔

اس مقام پر آثار قدیمہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ چھوٹے گھر دو دو کمروں پر مشتمل ہیں اور بڑے مکان رہائشی آسائشوں کے اعتبار سے اچھے خاصے محل معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ستانوے فٹ لمبے اور پچاسی فٹ چوڑے ہیں۔ بتیس مربع گز کے صحن کو چھوڑ کر باقی حصہ میں وسیع کمرے، دالان، غلام گردشیں، گودام، غسل خانے اور ملازموں کے رہنے کی کوٹھڑیاں وغیرہ تعمیر ہیں۔ بیت الخلا عموماً دوسری منزل پر ہے۔ نکاسی آب کے لئے ایسی زمین دوز پختہ اور ڈھکی ہوئی نالیاں موجود ہیں کہ پانچ ہزار سال گزرنے کے باوجود اگر آج ان مکانات میں بود و باش اختیار کی جائے تو وہ بخوبی کام دے سکیں گی۔ ان نالیوں کے اختتام پر مکان کے باہر چونے (ہودی جس میں فالتو پانی بہہ کر جمع ہوتا رہتا ہے) موجود ہیں ان میں غلیظ پانی جمع ہو کر خشک ہوتا تھا جسے باقاعدہ صاف کیا جاتا تھا۔ بعض ایسی عمارتیں دریافت ہوئی ہیں جو ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے عبادت گاہ نظر آتی ہیں۔

بیش تر مکانات دو منزلہ تھے اور باہر اترنے والے زینوں کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ دونوں منزلوں میں مختلف خاندان رہتے تھے۔ شہر گنجان آباد تھا کیوں کہ جگہ جگہ ایسے کشادہ قطعات نظر آتے ہیں جن پر کسی زمانہ میں بہار چمن نے اپنا رنگ جمایا تھا۔

حفظان صحت کے نقطۂ نظر سے بنائے ہوئے ان باغات کے علاوہ ہر گھر میں ایک گوشۂ گلشن تھا۔ اکثر مکانات کے آثار اس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔

بڑے گھروں میں ضرورت زندگی کو پورا کرنے کے لئے کنواں ہوتا البتہ چھوٹے مکانات میں رہنے والوں کے لئے مشترکہ کنوئیں بازار کے چوراہوں یا دو مکانوں کے درمیان مختصر کھانچے پر بنائے جاتے تھے۔ مؤرخ تصور کی آنکھ سے دیکھے تو ان کنوؤں پر صبح و شام آج کل کے پنگھٹوں کا سماں بندھ جاتا تھا کیوں کہ برتنوں کے بار بار رکھے جانے سے ملحقہ فرش پر متعدد گڑھوں کا وجود اور رسیوں کی مسلسل رگڑ سے مینڈھ* پر ایک سے زیادہ نشانات کا پایا جانا ثابت کرتا ہے کہ پانی کئی جگہوں سے نکالا جاتا تھا۔

اس بستی پر سرسری نظر ڈالی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ شہر کا نقشہ عالی دماغ لوگوں نے بنایا۔ راستے شمالاً جنوباً بالکل سیدھے ہیں۔ کسی ایک مقام پر ان میں خم یا موڑ نظر نہیں آتا۔ راستوں کے دونوں طرف یکساں قسم کی سیدھی قطار میں بنی ہوئی عمارتوں کے کھنڈرات

---

*مینڈھ = (کنوئیں کی منڈیر)

ذہن کو دنیا کے ان نئی طرز پر بسائے ہوئے مثالی شہروں کی طرف منتقل کر دیتے ہیں جن کو عروس البلاد اور خدا جانے کن کن ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

نیز کہنا پڑتا ہے کہ عصر جدید کے بعض شہر پانچ ہزار سال پہلے کے موئن جو دڑو کا نقش ثانی ہیں۔ اگر ان شہروں کا شمار دنیا کے بہترین شہروں میں ہوتا ہے تو اصولی اعتبار سے یقیناً وادی سندھ کی اس قدیم ترین بستی کے متعلق بھی یہی رائے قائم کرنی پڑے گی۔

شہر کے وسط میں اینٹوں کے ستونوں پر بنا ہوا ایک وسیع مربع ہال ہے جس کا ہر ضلع 90 فٹ کا ہے۔ اس میں بیٹھنے کی نشستیں تعمیر کی گئی ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ دیوان ہال کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

شہر کے بیچوں بیچ تیرنے اور نہانے کے لئے حوض ہے جو کم و بیش 39 فٹ طویل، 30 فٹ چوڑا اور آٹھ فٹ گہرا ہے۔ حوض کے چاروں طرف باقاعدہ مناسبت کے ساتھ کمرے، برآمدے اور غلام گردشیں وغیرہ موجود ہیں۔ حوض میں اترنے کے لئے آٹھ دس سیڑھیاں ہیں۔ کچھ فاصلہ پر چند کنوئیں ہیں جن سے پانی نکال کر اس حوض کو بھرا جاتا تھا۔ ایک مقام پر سوختہ کوئلوں اور راکھ وغیرہ کے انبار دیکھ کر قیاس کیا گیا ہے کہ وہاں بَلیوں اور تختوں کا سائبان ہوگا۔ پوری عمارت اور خصوصاً حوض کی ساخت سے اس زمانہ کے فن تعمیر کی بابت اعلیٰ رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

دور اندیش دماغوں نے اس خیال سے کہ پانی کی مستقل موجودگی حوض کی دیواروں کو گلا نہ دے، کاریگری سے سب سے پہلے پختہ اور ہموار اینٹوں کی چار فٹ چوڑی دیوار بنائی جس کی چنائی میں کھریا مٹی اور چونے کی آمیزش سے تیار کیا ہوا ایسا مسالا استعمال کیا ہے جو امتداد زمانہ کے باوجود بوسیدگی سے کوسوں دور ہے۔ دیوار کی پشت پناہی کے طور پر ایک انچ دبیز ردّا (پتھر یا اینٹوں کی چنائی کی تہ) خالص رال کا لگایا ہے۔ پھر جلی ہوئی اینٹوں کی ایک اور دبیز دیوار ہے۔ اس کے بعد بے ڈھنگی اور غیر ہموار اینٹوں کی ایک تہ

لگانے کے بعد پانچویں دیوار ویسی ہی جلی ہوئی پختہ اینٹوں کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانچ ہزار سال گزرنے کے بعد آج بھی حوض استعمال ہونے کے لائق ہے۔

حوض کے قریب کمرہ ہے جس کو ''گرم حمام'' کہا جاسکتا ہے۔ دیواروں میں عمودی شکل کے ایسے موکھے بنے ہوئے ہیں جن میں سے گرم ہوا داخل ہوکر فضا کو گرم کردیتی تھی۔ یہ نتیجہ اس لئے اخذ کیا گیا ہے کہ اس جگہ سے بعض ایسے تیزابی اور آتش گیر مادوں کی راکھ نکلی ہے جن کو جلا کر گرمی پیدا کی جاسکتی ہے۔

یونان وروما کے اولین عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے طریقے وہاں بھی رائج تھے اور حصول صحت کے لئے لوگ ان پر عمل کرتے تھے۔

اپنے دور میں بہترین تہذیب وتمدن سے آراستہ ان شہروں کے وجود زراعت اور تجارت پر منحصر تھے۔ کھدائی کے دوران بعض ظروف میں سے گیہوں اور جَو کے نمونے برآمد ہوئے ہیں جو اس زمانہ میں بوئے جاتے تھے۔ ماہرین نے دقیق معائنہ کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ اس قسم کے گیہوں کی کاشت آج بھی پنجاب کے بعض حصوں میں ہوتی ہے۔

پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ گیہوں اور جَو میں سے کون سے اناج کی کاشت آدمی نے زمین پر سب سے پہلے شروع کی کیوں کہ یہ دونوں اناج سرزمین مصر کی ان قدیم ترین قبروں میں سے برآمد ہوچکے ہیں جو ایک ہی عہد کی یادگار سمجھی جاتی ہیں۔ قبروں سے نکلا ہوا جَو، ان جَو کے دانوں سے مشابہ ہے جو موئن جودڑو سے برآمد ہوا ہے۔

چوں کہ تحقیق سے ثابت ہے کہ جَو اور گیہوں کی ابتدا ایشیائی ملکوں سے ہوئی ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ عہد عتیق میں صوبہ سندھ اور مصر کے مابین تجارتی تعلقات قائم تھے۔

موئن جودڑو کے باشندے ہر قسم کا گوشت کھاتے تھے کیوں کہ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری اور خنزیر کے علاوہ کچھوے، گھڑیال، مچھلی اور بعض پرندوں کی ہڈیاں ایسی حالت میں پائی گئی ہیں جو آگ پر پکنے کے بعد ہوتی ہے۔

کھانے کے سلسلہ میں پتھر اور تانبے کی رکابیوں کے علاوہ سیپ کے چمچے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جانوروں کے ڈھانچوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے یہ لوگ مذکورہ بالا مویشیوں کے علاوہ کھیتی باڑی، سواری اور بار برداری کی خاطر گھوڑے، اونٹ، ہاتھی اور سانڈ پالتے تھے۔ چناں چہ ان جانوروں کے ڈھانچے مکانات کے ان حصوں سے برآمد ہوئے ہیں جو بلاشبہ اصطبل کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ جانوروں کی شکل کے مٹی کے کھلونوں میں ایک کتے کی شکل کا کھلونا بھی شامل ہے کہ دھاگا باندھنے کے بعد اگر اس کی دم کھینچی جائے تو سر حرکت کرتا ہے۔ (قسط:۱)

خواجہ میر درؔد دہلویؒ

# تیرے تیئں تجھ تک سفر ہے

خواجہ میر درؔد دہلویؒ اپنے زمانہ کے معروف صوفی، شاعر اور صاحب تصنیف تھے۔ شیخ بہاء الدین نقشبندیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ خواجہ میر درؔدؒ نے علم تصوف پر فارسی زبان میں کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں ''علم الکتاب'' معروف ہے۔ دیوانِ میر درؔد سے ایک مخمس پڑھئے۔

باطن سے جنھوں کے تیئں* خبر ہے ظاہر پہ انہیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر* ہے

خاموش ہو، ترکِ گفتگو کر باطن کی صفا* کی جستجو کر
حیرت میں وصالِ آرزو کر آئنہ دل کو رو بہ رو کر
دیدار، نصیبِ ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار لیکن یہاں سے نگاہ درکار
سختی سے نہ رکھ قدم کو زنہار* آہستہ گزر میانِ کہسار
ہر سنگ دکانِ شیشہ گر ہے

دیدار نما* شاہدِ گل* اور زلف کشا* عروسِ سنبل*
جب دل نے مرے کیا تامل تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

نزدیک و بعید ہے برابر مت ہو دمِ یاس* سے مکدر
آئنہ وہم ہے سراسر مانند نگہ نکل تو باہر
تیرے تئیں، تجھ تک سفر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے مجوب* ہر نقص سے ہے کمال مطلوب
کوئی بھی نہیں جہاں میں معیوب آتے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے، پردۂ ہنر* ہے

اے دردؔ رموزِ کبریائی کب سمجھے ہے زاہدِ ریائی*
بے عجز نہیں ہے واں رسائی ہے مجھ کو جہاں پہ پرکشائی*
پرواز، شکستِ بال و پر* ہے

باطن سے جنہوں کے تئیں خبر ہے ظاہر پہ انہیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

---

*تئیں (خود)، *شرر (چنگاری)، *صفا (پاکیزگی)، *زنہار (خبردار)، *دیدار نما (چہرہ یا نظارہ دکھانے والا)، *شاہدِ گل (پھولوں کا حسن)، *مجوب (مخفی)، *زلف کشا (کھلی زلفوں کے ساتھ)، *عروس سنبل (سنبل کی دلہن)، *دمِ یاس (ناامیدی کی سانس)، *پردۂ ہنر (چھپی ہوئی خوبی)، *ریائی (دکھاوا کرنے والا)، *پرکشائی (پرکھولنا یعنی اڑنا)، *شکست بال و پر (پر و بال کا ٹوٹنا)

عظیمی

چاند کی کرنوں سے ـــــ
گھنے اور لمبے بالوں کی نشوونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

# روغن گلوسبز

| | | |
|---|---|---|
| کراچی: 021-36039157 | فیصل آباد: 041-8540132 | پشاور: 03219110156 |
| حیدرآباد: 0222781798 | لاہور: 03224112737 | مانسہرہ: 03005621447 |
| میرپورخاص: 03133508543 | راولپنڈی: 051-5169242 | مظفرآباد: 05822446661 |
| ڈگری: 03453700144 | اٹک: 03135168800 | میرپور: 03455701558 |
| ملتان: 03006338192 | ہری پور: 03135914147 | |

# توانائی کا اسراف ـــ غصہ

آگ اور پانی کی مثال اس لئے دی گئی ہے کہ غصہ کو آگ سے تشبیہ دی جاتی ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ پانی آگ کو اس لئے بجھاتا ہے کہ آگ میں بھی پانی ہے اور آگ پانی کو اس لئے قبول کرتی ہے کہ پانی میں بھی آگ ہے۔

---

شاگرد نے استاد سے کہا کہ مجھے غصہ بہت آتا ہے۔ کیا آپ غصہ پر قابو پانے میں میری مدد کرسکتے ہیں؟

استاد نے گہرے سنجیدہ لہجہ میں کہا، یہ تو غیر معمولی بات ہے۔ اچھا، ٹھیک ہے۔ میں مدد اس وقت کرسکتا ہوں جب تمہارا غصہ دیکھ لوں۔ کیا تم ابھی مجھے غصہ دکھا سکتے ہو ـــ؟

شاگرد ہچکچایا اور بولا، ابھی کیسے؟ ابھی تو میں غصہ میں نہیں ہوں۔

استاد نے تعجب سے پوچھا، ابھی کیوں نہیں؟

شاگرد نے کہا، غصہ تو اچانک آتا ہے۔

استاد نے جواب دیا، ایسی بات ہے تو پھر غصہ تمہاری فطرت کا حصہ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تمہیں اس کو ظاہر کرنے میں مشکل نہ ہوتی۔ ایسی شے کو جو تمہاری نہیں، کیوں اجازت دیتے ہو کہ تمہیں پریشان کرے؟

اب جب کبھی شاگرد کو غصہ آیا، استاد کے الفاظ یاد آجاتے۔ یوں اس نے غصہ پر قابو پانا سیکھا اور تحمل مزاجی سے واقف ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے اس میں محبت اور ایثار ہے ـــ غصہ اور نفرت نہیں۔ جس طرح غصہ کا اظہار کرکے عزازیل نے خود کو اللہ سے دور کیا اور ابلیس بن گیا ـــ ہم بھی غصہ کرکے خود کو اللہ کی محبت سے دور کرلیتے ہیں۔ غصہ نافرمانی ہے اور نافرمان نفرت کی آگ میں جلتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کردیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔'' (آل عمران:۱۳۴)

نیت شے یا عمل کو اچھا یا برا بناتی ہے۔ نیت طرز فکر کے تحت کام کرتی ہے اور طرز فکر کی نشان دہی ردعمل سے ہوتی ہے۔ معاملات اور دوسروں سے برتاؤ کے

دوران جو ردعمل اختیار کیا جاتا ہے، اس سے اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔ گھر پر ہمارے رویے اور ہوتے ہیں اور گھر سے باہر اور۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے غلط بات بالکل برداشت نہیں ہوتی ۔ درحقیقت غلط بات ہی برداشت کرنی چاہئے ـــ اچھی بات یا نرم رویہ کو تو سب بخوشی قبول کرتے ہیں۔

چند لمحوں کا غصہ پورے دن کو اور ایک فرد کا غصہ پورے ماحول کو متاثر کرتا ہے کیوں کہ مزاج سے واقف لوگ چوکنے رہتے ہیں کہ اس کا پارہ کسی بھی وقت زیادہ ہوسکتا ہے یوں دوستانہ ماحول رخصت ہوجاتا ہے ۔ ایک چھت کے نیچے رہنے اور کام کرنے والے ایسی صورت حال میں حقیقی جذبات کا اظہار نہیں کرتے ۔ ساتھ رہتے ہوئے بظاہر تعلق رہتا ہے لیکن بباطن ان کے مابین رابطہ ختم ہوجاتا ہے۔

ایسی صورت حال میں غصہ پر قابو پانے ، معذرت کرنے یا معاف کرنے کی راہ اپنانی چاہئے کیوں کہ یہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر خود کو پریشانی سے بچانے کے ساتھ کسی کو سمجھایا اور راہ پر لایا جاسکتا ہے۔

نامناسب طرز عمل کے نامناسب جواب کا مطلب ہے کہ ہم نے فریق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنی یا کسی کی کم زوری کو خود پر طاری کرنے سے غصہ آتا ہے۔ ناخوش گوار صورت حال میں دوسروں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس سے ہم غصہ سے بچ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''ح۔م، یہ اللہ رحمٰن ورحیم کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن، ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں، بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔ مگر ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے روگردانی کی اور وہ سن کر نہیں دیتے۔''

(حٰمٓ السجدۃ: ۱۔۴)

ہر تخلیق پانی سے بنی ہے اور پانی میں ثمرات کا ریکارڈ ہے۔ پانی جس زمین پر برستا ہے، زمین میں موجود فریم کے مطابق مظاہرہ ہوتا ہے۔ گندم کے بیج کو پانی دینے سے جَو نہیں نکلتی۔ گندم کے فریم میں پانی داخل ہونے سے گندم ظاہر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک اور تخلیق آگ ہے، اس کا وصف پکانا ہے اور جلانا بھی۔ نیت میں خیر ہے تو نوع آدم آگ میں موجود وصف سے مستفید ہوتی ہے۔ جیسے کہ آگ کو ایجادات میں استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کی مدد سے کھانا بھی پکایا جاتا ہے، کھانا کھانے سے جسم کو حرارت ملتی ہے۔ حرارت آگ کا ایک وصف ہے۔ آگ سے لوہا پگھلتا ہے اور صنعتیں چلتی ہیں۔ لوہے کا استعمال ہر شے میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔

نیت میں شر ہو تو لوگ دشمنی میں پست سے پست فعل پر اتر آتے ہیں۔ اور جس آگ سے چولھے جلتے ہیں اس سے فصلوں کو آگ لگا دیتے ہیں۔ جنگوں میں گولہ

بارود سے شہر کے شہر اجڑ جاتے ہیں، کارخانے اور صنعتیں راکھ ہو جاتی ہیں۔ فرد جب انتقام پر آتا ہے، اپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے یہاں تک کہ گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ سب غصہ کی کارفرمائی نہیں جس کا نتیجہ آگ ہے؟

آگ اور پانی کی مثال اس لئے دی گئی ہے کہ غصہ کو آگ سے تشبیہ دی جاتی ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ پانی آگ کو اس لئے بجھاتا ہے کہ آگ میں بھی پانی ہے اور آگ پانی کو اس لئے قبول کرتی ہے کہ پانی میں بھی آگ ہے۔

''غصہ شیطان سے پیدا ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے۔ آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ اگر کسی کو غصہ آجائے تو اسے وضو کر لینا چاہئے۔''

آگ کا استعمال مثبت اور منفی دونوں ہے۔ غصہ آگ کا منفی رخ ہے۔ آگ میں ہاتھ ڈالا جائے تو وہ جلاتی ہے — غصہ طاری ہونے سے خون جلتا ہے، اعصاب متاثر ہوتے ہیں اور آدمی روشنی کے ذخیرہ سے محروم ہوتا جاتا ہے۔

غصہ کی حالت پر غور کیجئے۔ یک دم شدید ہیجان برپا ہوتا ہے۔ ہیجان شدت سے برپا ہونا توانائی کا منفی مظاہرہ ہے جب کہ توانائی منفی و مثبت سے ماورا ہے، بات استعمال کی ہے۔ کیا ہم یہ توانائی تعمیری کام میں استعمال نہیں کر سکتے —؟

مشاہدہ ہے کہ سڑک پر یا کہیں اور کسی کی لڑائی ہو جائے تو دو آدمیوں کو دس آدمی روک نہیں پاتے۔ شدید غصہ میں اتنی توانائی غالب ہو جاتی ہے کہ دونوں کچھ بھی کر گزرتے ہیں۔ اگر وہ غصہ کی کیفیت پر قابو پالیں تو غصہ میں غالب ہونے والی توانائی فرد کی طاقت بن جاتی ہے۔

درگزر کرنے سے بڑی مقدار میں توانائی ذخیرہ ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ آدمی کے اندر توانائی کا ذخیرہ ہے جس کا سب سے زیادہ اظہار بیش تر لوگ غصہ کی صورت میں کرتے ہیں۔ اگر وہ اس توانائی کو مشکل صورت حال یا مصائب سے گزرتے ہوئے تحمل یا صبر کے طور پر استعمال کریں تو پھر جو شے رکاوٹ بن رہی ہے، وہی راستہ بن جاتی ہے۔

جس طرح گاڑی، ریل گاڑی یا ہوائی جہاز کو سفر کے لئے ایندھن چاہئے، اسی طرح روحانیت میں سالک کو پرواز کے لئے توانائی کی ضرورت ہے۔

فرد روحانی سلسلہ میں داخل ہوتا ہے لیکن غصہ نہیں چھوڑتا۔ جس زمین پر آگ جلائی جاتی ہے وہاں فصل نہیں اگتی۔ اسی طرح جس فرد میں غصہ ہو وہاں علم کا بیج بارآور نہیں ہوتا۔ سالک پورا سال ریاضت کرے، روزے رکھے اور مراقبہ کر کے توانائی ذخیرہ کرے لیکن ایک منٹ کے غصہ سے جمع شدہ توانائی کا ذخیرہ کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اب جو جگہ روشنی نے لی تھی، وہ کثافت سے پُر ہو گئی۔

سلسلہ عظیمیہ کے قواعد وضوابط میں ہے،

''غصہ کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کے خون میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور اس کے اعصاب متاثر ہوکر اپنی انرجی (energy) ضائع کردیتے ہیں۔یعنی اس کے اندر قوت حیات ضائع ہوکر دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نوع انسانی کے لئے کسی قسم کے بھی نقصان کو پسند نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جولوگ غصہ پر قابو حاصل کرلیتے ہیں،اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔''

غصہ پر قابو پانے سے روشنی ذخیرہ ہوتی ہے جو روحانی سفر میں سالک کے لئے زادِراہ ہے۔

غصہ جذبات میں اشتعال پیدا کرتا ہے۔دودھ میں ابال آنا ضروری ہے لیکن آنچ اتنی تیز نہ ہو کہ دودھ ابل کر کناروں سے گرے۔اگر غصہ کا اظہار ضروری ہے تو آواز اونچی کئے بغیر بات کی جاسکتی ہے۔

اولیاء اللہ جب غلطی پر اصلاح کرتے ہیں تو وہ غصہ نہیں کرتے،تحمل سے بات کرتے ہیں۔ان کی بات میں وزن کا سننے والے کو بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔اللہ کے دوستوں کی قربت میں رہنے سے غصہ دور ہوتا ہے۔اگر مرید یا عقیدت مند کا غصہ دور نہ ہو تو یہ قربت نہیں— دوری ہے کیوں کہ اس نے تعلیمات پر عمل نہیں کیا۔

دسو دسا سے کرودھ کی اٹھی اپر بل آگ
سیتل سنگت سادھ کی تہاں ابھریئے بھاگ

ترجمہ: ہرطرف سے غصہ کی زبردست آگ اٹھ رہی ہے۔اچھے آدمیوں کی صحبت میں ٹھنڈک ہے، بھاگ کر وہاں آرام پاؤ۔

آدم کی تخلیق کے بعد غصہ کا پہلی بار مظاہرہ کب ہوا؟

جب ابلیس نے اس بات کو برداشت نہیں کیا کہ کوئی مخلوق اس سے افضل ہوسکتی ہے۔اس نے آدم کی فضیلت کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور نافرمانی کی۔

غصہ دراصل امتحان ہے۔تحمل کا،صبر کا، برداشت کا، کہ کس کا کتنا ظرف ہے۔ہم کتنے اطاعت گزار ہیں؟

جتنا بڑا عہدہ ہوتا ہے،امتحان بھی اسی مناسبت سے سخت ہوتا ہے۔سی ایس ایس (سینٹرل سوپیریئر سروسز) کے امتحان میں طالب علم رات دن محنت کرتا ہے۔فوج میں جانے کے لئے سخت تربیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح روحانیت کے سفر میں بھی سخت مراحل سے گزارا جاتا ہے اور پھر قواعد کی پاسداری کرنے والے کو منزل مل جاتی ہے۔

کوٹھ بھرم لاگے رہیں ایک کرودھ کی لار
کیا کرایا سب گیا جب آیا اہنکار

ترجمہ: ایک وقت کے غصہ کے ساتھ ہزاروں گم راہیاں لگی رہتی ہیں۔جب 'میں' کا غرور آتا ہے تو کیا کرایا سب بیکار ہوجاتا ہے۔

فردغصہ میں دیگر منفی اوصاف سے جڑتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً غرور،تکبر،حسد،کینہ،نفرت،غیبت اور اسی قبیل

کے اوصاف کی نشوونما ہوتی ہے۔ اور اگر غصہ پر قابو پالیں تو تحمل، برداشت، صبر، بردباری، اور حسن اخلاق جیسے اوصاف شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں۔

غصہ کے حوالہ سے ہم یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ کیا کریں پتہ نہیں چلتا، غصہ آجاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم جس کے ماتحت ہوتے ہیں اس کے ڈانٹنے پر ہمیں کیوں غصہ نہیں آتا یا اظہار کیوں نہیں کرتے ــــ؟ اس لئے کہ اپنے سے طاقت ور پر ہم غصہ نہیں کرتے۔ غصہ ہمیشہ اپنے سے کم زور پر کیا جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر غصہ احساس برتری کی علامت ہے۔

غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے سے گریز کیا جائے۔ جس طرح آگ پر رکھی ہوئی پتیلی میں کوئی شے ابل رہی ہو تو ابلتے ہوئے نظر نہیں آتا یا سمجھ میں نہیں آتا کہ اندر کیا ہے۔ اسی طرح غصہ میں دماغ ابلتا ہے اور پھر صحیح اور غلط کی تمیز نہیں رہتی۔ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، خاندان اجڑ جاتے ہیں۔

ایک شخص کسی درویش کے پاس زیر تربیت تھا۔ درویش متحمل مزاج جب کہ وہ شخص بہت غصہ کرتا تھا۔

ایک روز درویش نے پانی کا برتن منگوایا، شاگرد کے سامنے رکھا اور پوچھا، یہ کیا ہے ــــ؟

شاگرد بولا، پانی ہے۔

درویش نے تصحیح کی، برتن میں پانی ہے۔

پوچھا، تم کیا اور کہاں تک دیکھ رہے ہو ــــ؟

شاگرد بولا، پانی کو پانی کے اندر تہ تک دیکھ رہا ہوں۔

درویش مسکرایا ــــ پانی میں ہاتھ ڈال کر تیزی سے ہاتھ پھیرا اور پوچھا، اب ــــ؟

شاگرد نے کہا، اب کچھ نہیں دیکھ رہا۔

درویش بولا، یہ غصہ کی کیفیت ہے۔ آدمی کو سب موجود ہو کر بھی کچھ نظر نہیں آتا کیوں کہ غصہ میں نظر گہرائی تو دور کی بات، دیکھنے ہی سے عاری ہو جاتی ہے۔ نظر اس وقت تہ تک پہنچتی ہے جب مزاج میں ٹھہراؤ ہو اور پانی ساکن ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے غم اور غضب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا،

''دونوں کا سرچشمہ ایک ہے مگر لفظ کا اختلاف ہے۔ اگر طاقت ور کم زور سے جھگڑا کرے تو غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے اور اگر وہ طاقت ور سے جھگڑے تو غم کی صورت میں اسے مخفی رکھتا ہے۔''

تکالیف اور مزاج کے خلاف باتوں کو برداشت کرنے سے نفس کا جوہر ظاہر ہوتا ہے۔ داناؤں کا قول ہے،

''ہر شے کا ایک جوہر ہے۔ انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے۔''

حسن سلوک سے عقل مندی، وسعت علم اور بردباری کا ثبوت ملتا ہے۔ صوفیا کی خصوصیت ہے کہ نہ وہ جھگڑا کرتے ہیں اور نہ بے جا غصہ کرتے ہیں بلکہ نرمی اور بردباری اختیار کرتے ہیں۔ صوفی کسی کے نفس کو غالب دیکھتا ہے تو اس کا مقابلہ قلب کے ذریعے کرتا ہے اور

اس طرح نفس کی وحشت دور ہو جاتی ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں،

''غیظ وغضب وقار کو خراب کرتا ہے۔ اس صورت میں آدمی عدل وانصاف سے نکل کر ظلم وستم کی حد میں پہنچ جاتا ہے۔ اگر غصہ اپنے سے بالاتر شخص پر کیا جائے جس کے سامنے وہ دل کی بھڑاس نہ نکال سکے تو غیظ وغضب کا خون جسم کی ظاہری جلد سے الگ ہو کر دل میں جمع ہوتا ہے اور اس سے رنج وغم اور انقباض پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صوفی پیچ وتاب نہیں کھاتا۔'' (عوارف المعارف)

وہ باتیں جن کو بدلنے پر ہمارا اختیار نہیں، اس پر تلملانے کے بجائے دیکھ لینا چاہئے کہ کہیں ہم خود تو وہی کام نہیں کرتے؟ اگر ہم خود کو بدل دیں تو درحقیقت ہم نے دنیا بدل دی۔ ہر فرد دوسرے سے مثبت یا منفی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ ماحول میں ایک فرد کے تبدیل ہونے کا مطلب دیگر لوگوں پر اثرات کا مرتب ہونا ہے۔ غصہ سے زندگی کو قائم رکھنے والی روشنی مغلوب ہوتی ہے اور نتیجہ مہلک امراض ہیں۔ غصہ کا علاج غصہ نہیں۔ شاعر نے کہا ہے،

فتنہ کو جہاں تک ہو، دیجئے تسکیں
زہر اگلے تو کوئی کیجئے باتیں شیریں
غصہ غصہ کو اور بھڑکاتا ہے
اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

## نیکی کر دریا میں ڈال

جو نیکی کر کے پھر دریا میں اس کو ڈال جاتا ہے
وہ جب دنیا سے جاتا ہے تو مالا مال جاتا ہے
سنبھل کر ہی قدم رکھنا بیابان محبت میں
یہاں سے جو بھی جاتا ہے بڑا بے حال جاتا ہے
کبھی بھوکے پڑوسی کی خبر تو لی نہیں اس نے
مگر کرنے وہ عمرہ اور حج ہر سال جاتا ہے
مناؤں ہر برس جشن ولادت کس لئے آخر
یہاں ہر سال میری عمر کا اک سال جاتا ہے
ہے دنیا تک ہی اپنی دسترس میں دولت دنیا
فقط ہم راہ اپنے نامۂ اعمال جاتا ہے
بنا دیکھے خدا کو مانتا ہوں اس لئے ساحلؔ
کوئی تو ہے جو ہم کو روز دانہ ڈال جاتا ہے
جو نیکی کر کے پھر دریا میں اس کو ڈال جاتا ہے
وہ جب دنیا سے جاتا ہے تو مالا مال جاتا ہے

(کلام: عبدالحفیظ ساحلؔ قادری)

قدرت نوع انسانی کے لئے کسی قسم کے نقصان کو پسند نہیں کرتی۔ غصہ سے پرہیز کرنا چاہئے کیوں کہ غصہ روحانیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

ایک شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ ضبط نفس کون کرتا ہے؟

فرمایا، وہ شخص جو قسمت پر سب سے زیادہ شاکر ہو۔''

عابد محمود

# کرکٹرانہ صلاحیت

اس مقام پر بات سمجھا نہیں سکتے، یہاں عقل کا دخل نہیں۔ کوئی سمجھتا ہے کہ عقل سے اس گتھی کو سلجھالے گا تو ابھی وہ کم فہم ہے۔ شادی سے پہلے محبت اور شادی کے بعد عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ بات منوا نہیں سکتے کیوں کہ یہاں نفی ہی نفی ہے — اطاعت ہی اطاعت ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ بات منوالوں گا، غلطی پر ہے۔

بیٹنگ کرتے ہوئے لڑکے نے بلا گھمایا تو تیزی سے میری طرف آتی ہوئی گیند، بیگم کی طرف سے پھینکا گیا گلاس معلوم ہوا۔ پھرتی سے پوزیشن بدلی اور گیند پکڑ لی۔ لڑکوں نے حیرت سے پچاس سالہ شخص کی پھرتی دیکھ کر تالیاں بجائیں۔

میرا بیٹا منا جو انٹر میڈیٹ کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا، فخر سے لڑکوں کو بتانے لگا کہ ابا روز گھر پر میچ کھیلتے ہیں، کبھی کیچ نہیں چھوڑتے۔

لڑکوں نے حیرانی سے پوچھا، کیا تمہارے گھر میں گراؤنڈ ہے جہاں ابا میچ کھیلتے ہیں —؟

کھنکار کر منے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور گیند بولر کی طرف اچھال دی۔

گلیوں سے گزرتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔

خالہ کلثوم میرا انتظار کر رہی تھیں۔

رسمی سلام دعا کے بعد کہنے لگیں، چوہدری صاحب بیٹی کی عمر نکلتی جا رہی ہے۔ اللہ اللہ کر کے ایک رشتہ آیا ہے، چاہتی ہوں کہ وہ اپنے گھر کی ہو جائے۔ لڑکے والے بہت اچھے ہیں، جہیز کے بغیر بیٹی گھر لے جائیں گے لیکن چاہتے ہیں کہ بارات کا اچھا استقبال ہو اور کھانا اچھا بنایا جائے۔ آپ تو جانتے ہیں سارا دن کپڑے سی کر گزارا کرتی ہوں۔ ایک بیوہ عورت کے لئے بیٹی کی شادی کرنا کتنا مشکل ہے۔ یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ اس بوجھ کو اٹھائیں۔ محلّہ والے آپ کی بات مانتے ہیں، اگر ان سے بات کریں تو آسانی ہو جائے گی۔ ہاتھ پھیلانا اچھا نہیں لگتا۔ مجبوری میں آپ کے پاس آئی ہوں۔

خالہ کلثوم کے چہرہ پر فکرمندی اور ندامت کی لکیریں گہری ہوتی چلی گئیں۔ ان سے تسلی کے دو بول بھی نہیں بول پایا تھا کہ بیگم کمرے میں چائے لئے داخل ہوئیں اور میں چوکنا ہو گیا — خطرہ کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

بیگم نے زور سے چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھی، چائے کے برتن احتجاجاً کھنکھنائے اور چائے، پیالی

سے چھلکنے کے بعد ہلکورے لینے لگی۔

چائے پی لیں۔مسکراہٹ کے پیچھے طوفان چائے کی پیالیوں میں تلاطم برپا کر چکا تھا۔سہمے ہوئے انداز سے بیگم کو دیکھا اور خالہ کلثوم کی طرف دیکھ کر چوہدرانہ مسکراہٹ سے چائے ان کے آگے کھسکا دی۔چائے رکھ کر وہ باہر چلی گئی۔

خالہ کلثوم جہاں دیدہ خاتون تھیں۔بیگم کے جانے کے بعد سرگوشی میں کہنے لگیں، چوہدری! تم تو کہتے تھے کہ تمہاری بیگم نے ماسٹر کیا ہے اور وہ پڑھی لکھی خاتون ہے۔کس مضمون میں ایم اے کیا ہے؟

میں نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا اور چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا—ادب میں!

میں ایک عاشق تھا لیکن عشق کے فلسفہ کو نہیں سمجھ سکا۔تاریخ کے نام ور عاشق اپنی محبوبہ کو انتھک کوشش کے باوجود حاصل نہیں کر سکے۔ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں، سسی پنوں، شیریں فرہاد — سب عشق کی وہ داستانیں ہیں جو چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ میاں عشق میں مر جانا— پر محبوبہ سے شادی نہ کرنا۔

ان عاشقوں کے نام پڑھتا ہوں تو رمز سامنے آتا ہے کہ چاہے مجنوں صحرا کی خاک چھانتا پھرے پھر بھی پہلے نام لیلیٰ کا لیا جاتا ہے یعنی ہر عاشق کے نام سے پہلے محبوب کا نام آتا ہے۔

آنے والی نسلیں اس کو تنبیہ سمجھ سکتی ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ کسی ایسے عاشق کی داستان رقم نہیں کی گئی جس نے اپنی محبوبہ سے شادی کی ہو۔عشق کی راہ میں سارے راہ بر اس لئے کہلائے کہ انہوں نے شادی نہ کر کے ادھوری داستان کو امر کر دیا۔

تمام بڑے عاشق مقام زوجیت کے بجائے مقام عشق سے واقف تھے۔عشق کی داستانوں کی اس قدر ہرزہ سرائی ہے کہ گویا آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔ڈوب کر پہنچنے کا مقام — مقام زوجیت ہے اور مقام زوجیت نام ور عاشقوں کے نصیب میں نہیں لکھا۔

میرا عشق بھی آگ کا دریا تھا اور میں ڈوب کر نوراں تک پہنچا۔نہیں جانتا تھا کہ عشق کے سفر میں جو دریا عبور کیا، وہ محض آغاز سفر تھا۔اس کے آگے جو آگ کا سمندر ہے اس سے عاشق نہیں— صرف خاوند واقف ہو سکتا ہے۔

استاد بہرکیف استاد ہوتا ہے۔تمام عاشق اس بات سے واقف تھے کہ عشق کر بیٹھے ہیں اور اس سفر میں ہر طرف آگ ہے، کیوں نہ انجام کو حسین بنایا جائے۔اس لئے انہوں نے شادی پر موت کو ترجیح دی۔میں عاشق ہونے کے باوجود اس رمز کو نہیں سمجھ سکا اور اب عاشقوں کی فہرست سے نکل کر خاوند کی فہرست میں آ گیا۔

کچھ کر گزرنے کے احساس سے بھرپور زندگی نے مجبور کیا کہ جاننا چاہئے عاشق محبوبہ سے شادی کے بعد عشق کیوں نہیں کرتا۔اس سے تاریخ میں نیا باب

رقم ہوگا۔ عاشق مرتبہ عشق سے جب مرتبہ شوہریت میں داخل ہوتا ہے تو حیثیت بدل جاتی ہے۔۔۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حیرت ہی حیرت ہے۔

اس مقام پر بات سمجھا نہیں سکتے، یہاں عقل کا دخل نہیں۔ کوئی سمجھتا ہے کہ عقل سے اس گتھی کو سلجھالے گا تو ابھی وہ کم فہم ہے۔ شادی سے پہلے محبت اور شادی کے بعد عقل اندھی ہوجاتی ہے۔ بات منوا نہیں سکتے کیوں کہ یہاں نفی ہی نفی ہے ۔۔۔ اطاعت ہی اطاعت ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ بات منوالوں گا، غلطی پر ہے۔

میری محبوبہ نوراں، شادی سے اس قدر خوش تھی کہ خوشی سے پھول گپا ہوگئی۔ مجھے اس وقت ادراک ہوا کہ محاورے یک دم وجود میں نہیں آتے بلکہ چھ سے آٹھ مہینوں میں مکمل ہوتے ہیں۔ وہ نازک کلی جس کی بل کھاتی کمر نے مجھے دیوانہ بنایا، جب کھل کر پھول بنی تو گوبھی کے پھول کو مات دے گئی۔

نوراں خوب صورت ہونے کے ساتھ دل کی اچھی تھی۔ میرے دھوئے گئے کپڑوں اور گھر کی صفائی پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ بعض دفعہ کپڑوں پر داغ رہ جاتے لیکن وہ مسکراتی اور کہتی، داغ تو اچھے ہوتے ہیں اور میں خود کو کہانی کا ہیرو سمجھتا۔

زبان کی تیز تھی لیکن حفظ ماتقدم کا اس قدر دھیان تھا کہ اس کی جھڑکیوں سے اہل محلّہ آگاہ نہ ہوسکے۔ ثبوت یہ ہے کہ آج بھی پورا محلّہ مجھے چوہدری صاحب کہہ کر بلاتا ہے۔ لیکن اب مجھے چوہدری کہلانا پسند نہیں۔ میرے اندر عجز وانکساری کا دریا بہنے لگا ہے۔

جب میں شادی سے پہلے محبت سے ہاتھ پکڑتا تو لگتا کہ روئی کے نرم نرم گالے ہیں۔ لطافت کی لہریں دوڑ جاتیں۔ شادی کے بعد وہ ہاتھ بھاری ہوگئے تھے اور ان کی ضرب ۔۔۔ ضربِ شدید تھی۔

اب نوراں کے ہاتھ صرف اپنے دفاع کے لئے پکڑتا تھا۔ اس قدر نرم مزاج تھی کہ ایک دفعہ جب اس کے بھاری ہاتھوں کی ضرب سے اسے لگا کہ کہیں میں اس کی زندگی سے منفی نہ ہو جاؤں، اس کے بعد کبھی ضرب کا مظاہرہ نہیں کیا۔

کہتے ہیں کہ قدرت کسی سے کوئی کام لینا چاہتی ہے تو پہلے اس کو صلاحیت سے نوازتی ہے۔ مجھے بچپن سے کرکٹر بننے کا شوق تھا۔ دن کرکٹ کھیلتے ہوئے گزر جاتا۔ یہ صلاحیت اب نوراں کی طرف سے پھینکے ہوئے برتنوں کو کیچ کرنے میں کام آرہی تھی۔ بیٹنگ ہمیشہ بیگم کرتی تھی اور کیا بتاؤں میرا زیادہ تر وقت فیلڈنگ میں گزرتا تھا۔

شادی کے بعد عشق پر گہری چوٹ اس وقت لگتی ہے جب آپ سمجھتے ہیں کہ میچ ختم ہو چکا ہے اور آرام کی غرض سے لیٹ جاتے ہیں۔ مگر مقام زوجیت میں ''جو دم غافل سو دم کافر'' کے مصداق ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔

محبوب کی ہر ادا عاشق کے لئے جان لیوا ہوتی ہے۔

خوشیوں کو پر لگتے ہیں تو بندہ ہواؤں میں اڑتا ہے۔اس کا مشاہدہ ہواؤں میں اڑتے گلاسوں اور برتنوں سے ہوتا رہتا تھا۔محبوب کی ادائے قاتلانہ کس کو کہتے ہیں، تجربہ پُرمسرت ماحول میں پیٹھ پر گلاس لگنے سے ہوا— سیز فائر میں حملہ!

سوالیہ نظروں سے نوراں کی طرف دیکھا اور خاموشی کی زبان میں پوچھا کہ میں نے کیا کیا ہے؟

وہ شان بے نیازی سے مسکرائی اور پنجابی میں کہا، ایویں ای (ویسے ہی)۔ضرور میں نے اس کی کسی بات کو نظر انداز کیا تھا جس کا احساس اس نے گلاس کے ذریعے کیا۔ بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔اب مجھے غور کرنا تھا کہ بات کیا ہے ورنہ آندھی — طوفان کا پیش خیمہ ہوسکتی تھی۔

آنکھیں اس کی بے نیازی پر بھر آئیں۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ محبت اس مقام پر ہے جہاں وجوہات پسِ پشت چلی جاتی ہیں، مشقِ ستم صرف خاوند باقی رہ جاتا ہے۔

مقام زوجیت میں آنے کے بعد گویا کاروبار دنیا مجھ سے روٹھ گیا۔ اب میں نام کا چوہدری تھا، کچھ زمینیں تھیں ان سے سالانہ اناج مل جاتا اور گھر کا نظام چلتا رہتا۔لیکن گلی والے مجھے اب بھی چوہدری سمجھتے تھے اور احترام سے سلام دعا کرتے۔

عشق کی داستان کا پہلا پھول منے کی شکل میں کھلا۔ جیسے جیسے وہ بڑا ہوا، اس کے اندر ''کرکٹرانہ صلاحیت'' نمایاں ہونے لگی۔ انکشاف اس دن ہوا جب بیگم نے آٹا گوندھتے ہوئے میری نصیحت کو باؤنسر سمجھ کر جواباً بیلن میری طرف پھینکا تو میں ناگہانی حملہ کے لئے تیار نہیں تھا۔ ہوا میں لہراتے ہوئے بیلن کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں اور ہاتھ بے ساختہ بیلن کو پکڑنے کے لئے اٹھے۔

بیٹا قریب تھا، اس نے قلابازی لگاتے ہوئے بیلن کو کیچ کیا، جیسے سلپ میں تیار کھڑا ہو۔ باپ کی دور اندیش آنکھوں نے دیکھ لیا کہ بیٹا بڑا ہو کر کٹر یا بہترین خاوند بنے گا۔

بیٹے نے جوانی میں قدم رکھ دیا تھا۔گھر میں پریکٹس کی وجہ سے اس کا کرکٹ کا شوق بڑھ رہا تھا۔

ابا مجھے دو ہزار روپے چاہئیں۔ٹورنامنٹ میں انٹری کروانی ہے۔ منے نے التجائیہ لہجہ میں کہا۔

اتنی زیادہ فیس! میں نے حیرت ظاہر کی۔

ابا ٹورنامنٹ میں جیتنے والی ٹیم کو ایک لاکھ روپے اور بہترین کھلاڑی کو پچاس ہزار روپے نقد انعام ملے گا۔مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

میرے پاس نہیں ہیں، اماں سے لے لو۔ میں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

اماں سے؟ حیرت سے میری طرف دیکھا۔

بیٹا! ڈر کے آگے جیت ہے۔ مجھے کبھی ڈرتے ہوئے دیکھا ہے تم نے۔ڈر ختم کرو۔

منے نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولا، ابا! آپ تو چوہدری ہیں، آپ کو کہاں ڈر لگتا ہے!

تعریف سن کر میں نے فخر سے بیٹے کو دیکھا اور تنکا تنکا کر کے جو دو ہزار بیگم کے پرس سے نکالے تھے وہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور بولا، جا بیٹا، جی لے اپنی زندگی!

جوان تھا— فرط جذبات سے مجھے گود میں اٹھالیا اور خوشی میں جھومنے لگا۔ پیٹھ پر چند روز پہلے گلاس لگنے کے اثرات باقی تھے۔ درد کی ایک ٹیس اٹھی۔

منے کے محبت بھرے جذبات کا ایک چکر ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ بیگم کی انٹری نے منے کو حواس باختہ کر دیا۔ غضب سے بچنے کے لئے ہم باپ بیٹا پھرتی سے باہر جانے والے دروازہ کی طرف بڑھے۔

مرد کے نہ جانے کتنے روپ ہیں— گھر میں خاوند اور گلی میں چوہدری! گلی میں پہنچتے ہی چوہدری کی طرح اکڑ کر چلنے لگا۔

خالہ کلثوم کے پیغام کو میں نے محلّہ داروں تک پہنچا دیا تھا۔ چند لوگوں کے علاوہ کسی نے مدد نہیں کی۔ جمع ہونے والی رقم ناکافی تھی۔ ان کی بیٹی کی شادی کے دن قریب آرہے تھے اور میری بے چینی بڑھ رہی تھی۔

خالہ کلثوم پریشان حال بیٹھی تھی کہ رقم کا بندوبست کیسے ہوگا۔ خالہ آپ فکر نہ کریں اللہ کوئی نہ کوئی سبب ضرور پیدا کرے گا۔ بیگم نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

شادی میں دو دن باقی تھے۔

خالہ کلثوم کے آنسو گالوں پر بہہ گئے۔ خاموشی سے اٹھیں اور تھکے قدموں سے گھر کو چل دیں۔ میرے دل پر جیسے کسی نے کرب کی سل رکھ دی۔

بیگم نے حالت دیکھی اور محبت سے بولی، کتنے برے لگ رہے ہو۔ ہنستے ہوئے اچھے لگتے ہو۔

میں نے پھیکی مسکراہٹ سے دیکھا۔

وہ بولی، فکر مت کرو، جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا اللہ ہے۔ خالہ کلثوم کی غیب سے مدد ہوگی۔

گلی میں شور کی آواز پر ہم چونک گئے۔ دیکھا، محلّہ کے لڑکوں نے منے کو کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ گلے میں گلاب کے ہار تھے اور اس کے لئے نعرے لگ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے چھلانگ لگائی اور گلے لگانے کے لئے آگے بڑھا، میں گول گول گھومنے کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کے گول جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بیگم کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنا دفاع کیا۔ ماں کو دیکھ کر وہ رک گیا۔ جانتا تھا کہ اتنی سکت نہیں کہ وہ اپنی اماں کو اٹھا کر محبت کا اظہار کر سکے۔

ماں کو گلے لگایا تو مجھے اس کے پیچھے چھپا دیکھ کر بولا، ابا میری ٹیم جیت گئی اور مجھے ٹورنامنٹ کا بہترین کھلاڑی قرار دیا گیا ہے۔

اس دن احساس ہوا کہ بیگم بہترین کوچ تھی جس کے برتن ہمیں ہر وقت چوکنا رکھتے تھے۔ منے نے ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ کیچ پکڑے، بہترین

اسکور کرنے کے ساتھ ساتھ وکٹیں بھی حاصل کیں۔
حیرت سے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔
اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔
میں نے الجھے ہوئے لہجہ میں کہا، ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ کیچ تم نے پکڑے، یہ تمہاری اماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے لیکن بیٹنگ کہاں سے سیکھی۔ زندگی میں کہیں کوئی لڑکی تو نہیں؟
اس نے ہکلاتے ہوئے کہا، نہیں ابا ایسی کوئی بات نہیں۔ اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا، ابا یہ ٹورنامنٹ میں ملنے والی رقم پورے پچاس ہزار ہیں۔
تمام لڑکوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔
تالیوں کی آواز ابھی ماند نہیں ہوئی تھی کہ بیگم نے مقام زوجیت پر وارد ہونے والی کرامت کا مظاہرہ کیا اور نہ جانے کب میرے ہاتھوں سے پچاس ہزار اس کے ہاتھ میں منتقل ہو چکے تھے۔ بے بسی سے منے کی طرف دیکھا۔ بیگم کی آواز سنائی دی ــــ یہ خالہ کلثوم کی بیٹی کی شادی کے روپے ہیں جو اللہ نے منے کے ذریعے بھیجے ہیں۔ ماحول پر کچھ دیر کے لئے سکتہ طاری ہوا اور پھر محلّہ تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ بیگم نے کہا، اللہ سب کی مدد کے لئے اسی طرح غیب سے اسباب پیدا کرتا ہے۔ میں نے اور منے نے محبت پاش نظروں سے نوراں کی طرف دیکھا۔ بیٹا ماں کے گلے لگ گیا۔ میں ایک بار پھر نوراں کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔

## معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے

قطرہ وہی کہ روکشِ دریا کہیں جسے
یعنی وہ میں ہی کیوں نہ ہوں تجھ سا کہیں جسے
وہ اک نگاہ اے دل مشتاق اس طرف
آشوب گاہِ حشر تمنا کہیں جسے
بیمار غم کی چارہ گری کچھ ضرور ہے
وہ درد دل میں دے کہ مسیحا کہیں جسے
اے حسن جلوۂ رخ جاناں کبھی کبھی
تسکین چشم شوق نظارا کہیں جسے
اس ضعف میں تحمل حرف و صدا کہاں
ہاں بات وہ کہوں کہ نہ کہنا کہیں جسے
یہ بخشش اپنے بندۂ ناچیز کے لئے
تھوڑی سی پونجی ایسی کہ دنیا کہیں جسے
ہم بزم ہو رقیب تو کیوں کر نہ چھیڑیئے
آہنگِ ساز درد کہ نالا کہیں جسے
پیمانۂ نگاہ سے آخر چھلک گیا
سر جوشِ ذوق وصل تمنا کہیں جسے
آسی جو گل سے گال کسی کے ہوئے تو کیا
معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے
قطرہ وہی کہ روکش دریا کہیں جسے
یعنی وہ میں ہی کیوں نہ ہوں تجھ سا کہیں جسے

(کلام: آسی غازی پوری)

تجمل ٹریولز
تجمل للسفريات (الخاصه) المحدوده
ویزہ + ایئر لائن ٹکٹ
ہوٹل کی بکنگ
ٹرانسپورٹ + زیارات
بجٹ پیکج
اکانومی پیکج
UMRAH
عمرہ سروس
رانا تجمل حسین
+92 321 6680 266
+92 300 6654 211
Gole Bhawana Bazar
Faisalabad, Pakistan
طیب طاہر
+92 306 7000 038
+92 336 6333 313
THA
ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز
شبعة تی ایچ اے (THA) للتطور الامور تتعلق بالعمال الموعظتيين الاجانب
Labour Visa
Skilled Visa
Un Skilled Visa
thaoep1@gmail.com
متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر
ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

شہد
میں شفا ہے
wild flower
organic
honey
AZEEM Life Sciences
Karachi-Pakistan
عظیمی میڈیکل اسٹور
ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

# صبغۃ اللہ

## اللہ کا رنگ

فضا میں خوب صورت اور رنگ برنگ پرندے پرواز کررہے ہیں۔جھیل کے کناروں پر سبزہ اور ہرے بھرے درخت ہیں اور ایک حسین ہرن اس سبزہ زار میں کھڑا ہے۔بیان کردہ مناظر کی بنیاد کیا ہے؟

---

دنیا میں ایسی کوئی شے نہیں جو بے رنگ ہو ــــ ہر شے رنگوں سے مزین ہے۔ارشاد ربانی ہے:

''اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں، ان میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔'' (النحل:۱۳)

وضاحت کے لئے ہر فرد مثال ہے۔سمجھنے کے لئے ہم اس کو حارث کا نام دیتے ہیں۔حارث میں بھی ہوں اور آپ بھی۔کیا حارث کے سراپے اور پوری زندگی کو رنگوں کے علاوہ کچھ کہا جاسکتا ہے ــــ؟

حارث کے سراپے پر غور کریں تو سر کے بالوں کا رنگ، بالوں کی جڑوں کا رنگ، سر کی کھال جہاں سے بال اگتے ہیں اس کا رنگ، جسم کی کھال کا رنگ، ناخنوں کا رنگ، آنکھوں کا رنگ، آنکھ کے مختلف حصوں کا رنگ، زبان کا رنگ، اندرونی جسمانی اعضا مثلاً دل، جگر، گردے، پھیپھڑے، خون وغیرہ کا رنگ۔

جذبات و احساسات کی طرف آئیں تو غصہ میں حارث کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے، خوف میں سیاہ پڑ جاتا ہے۔خوشی میں چہرہ خوب صورت نظر آتا ہے، غم میں مرجھا جاتا ہے۔

من وعن یہی صورت حال بیماریوں کی ہے۔حارث کو اگر یرقان ہو جائے تو آنکھیں زرد ہو جاتی ہیں۔بخار کی شدت میں رنگ سرخ، خون کی کمی سے چہرہ زرد، بلڈ پریشر بڑھ جائے تو آنکھوں میں سرخ ڈورے نظر آتے ہیں۔حیوانات، چوپائے، چرند، پرند اور دیگر مخلوقات سب کے مخصوص رنگ ہیں۔

کھانے پینے کی اشیا کی طرف آیئے تو پھل پھول، سبزیاں، دالوں اور گوشت میں بھی رنگ ہیں۔آسمان میں بھی مختلف رنگ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔مطلع صاف ہو تو فضا میں نیلا رنگ غالب نظر آتا ہے، آسمان ابر آلود ہو تو مطلع آلودہ دکھائی دیتا ہے۔اسی طرح طلوع اور غروب کے وقت آسمان خوب صورت رنگوں کا کینوس بن جاتا ہے۔کہکشانی نظام بھی رنگوں کا مجموعہ ہے۔الغرض عالم رنگ وبو کی ہر شے رنگین ہے۔غور کیجئے کہ کیا آپ نے کوئی بے رنگ شے دیکھی ہے؟

مادی دنیا یا عالم ناسوت رنگوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تصور کریں کہ دنیا کی تمام اشیا بے رنگ ہوگئی ہیں۔ ایسی صورت میں ہر شے گڈمڈ ہو جائے گی، شناخت ناممکن ہوگی اور ہم انہیں دیکھنے سے قاصر ہوں گے۔ کیوں کہ رنگوں سے جو امتیاز قائم ہوا تھا، وہ مٹ گیا۔

مادی دنیا میں شناخت کا ذریعہ رنگ ہیں۔

اہم بات یہ بھی ہے کہ رنگوں میں مسلسل تغیر ہوتا ہے۔ درختوں کو دیکھیں تو درخت سبز رنگ یا سبز کے مختلف شیڈز میں نظر آتے ہیں۔ موسم کے تغیر کے ساتھ ان میں بھی تغیر ہوتا ہے۔ خزاں میں سبز پتّے سرخ ہوکر زردی مائل ہو جاتے ہیں۔ بہار میں پھولوں کی بارات ہوتی ہے اور پتّوں پر نکھار آجاتا ہے۔

نومولود کے ملائم اور نرم و نازک گال چھو کر دیکھیں، ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر جلد کی لطافت اور تازگی محسوس کریں۔ یہی بچہ جب لڑکپن میں داخل ہوتا ہے تو جلد یکسر تبدیل ہو جاتی ہے۔ جوانی سے گزر کر بڑھاپا آتا ہے تو وہ کھال جس میں کبھی تازگی تھی، اس پر پژمردگی چھا جاتی ہے اور جھریاں نمودار ہوتی ہیں۔

جس طرح وقت گزرنے کے ساتھ پتّوں کا رنگ تبدیل ہوتا ہے، آدمی کا رنگ بھی بدلتا ہے۔

سائنسی نقطۂ نظر سے رنگوں کے بننے اور نظر آنے کے لئے کچھ عوامل موجود ہونا ضروری ہیں۔ رنگوں کی تخلیق میں پہلے روشنی کی موجودگی لازمی ہے۔ روشنی کی مختلف ویولینتھ سے متفرق رنگ تخلیق ہوتے ہیں۔ مادی آنکھ سورج کی کرنوں کا جو مرئی حصہ ( visible spectrum ) دیکھتی ہے وہ اس روشنی کا صرف 42 فی صد ہے۔ علاوہ ازیں سورج سے آنے والی شعاعیں مخصوص فلٹر سے گزر کر زمین تک پہنچتی ہیں تاکہ ان کے نقصان دہ اثرات سے آنکھیں اور دماغ محفوظ رہیں۔ شعاعیں آنکھ میں موجود لینس ریٹینا سے ٹکراتی ہیں۔ ریٹینا میں دو طرح کے خلیات پائے جاتے ہیں جنہیں rods اور cones کہا جاتا ہے۔ راڈز کی تعداد بارہ کروڑ جب کہ کونز کی تعداد ساٹھ لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔ راڈز کم روشنی میں یا رات کو دیکھنے میں مدد دیتے ہیں جب کہ کونز سے شعاعیں مخصوص رنگوں میں ڈھلتی ہیں۔ یعنی روشنی کی شعاعیں کروڑوں فلٹرز سے گزر کر دماغ کے پچھلے حصہ میں پہنچتی ہیں جہاں دماغ کا مخصوص حصہ ان شعاعوں کو رنگ روپ اور ڈائی مینشن فراہم کرتا ہے اور ہم روشنی کو مادی اور رنگین شکل میں دیکھتے ہیں۔

سمجھا جاتا ہے کہ ہم سہ جہتی ( تھری ڈائی مینشنل ) دنیا میں موجود ہیں جہاں چیزیں دور یا قریب ہیں۔ حالاں کہ یہ دماغ کا معنی پہنانا (انٹرپریٹیشن) ہے۔

لہر کا قریب یا دور ہونا معنی نہیں رکھتا۔ آپ کے سامنے پانچ فٹ کے فاصلہ پر دائیں جانب برف اور بائیں جانب راکھ ہے۔ دونوں میں سے بھاپ نکل

رہی ہے لیکن دماغ برف کی بھاپ کو ٹھنڈا اور راکھ کی بھاپ کو گرم محسوس کرتا ہے جب کہ اس نے دونوں میں کسی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ برف اور راکھ فاصلہ پر ہیں مگر ان کی لہروں کا فرد سے فاصلہ نہیں۔

فاصلہ نہ ہونے کے باوجود اطراف پر نظر دوڑائیں تو چیزیں دور یا بہت دور اور قریب یا بہت قریب نظر آتی ہیں۔ ہر لہر جو ریٹینا سے ٹکراتی ہے، اس طرح فلٹر ہوتی ہے کہ ہم اسے رنگ روپ اور ابعاد میں دیکھنے پر مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم شے کو قریب اور دور دیکھتے ہیں۔

سائنسی تحقیق اپنی جگہ لیکن باطنی علوم کے ماہرین یا روحانی لوگ ہماری توجہ اس اہم نکتہ کی طرف مبذول کراتے ہیں کہ اگر رنگوں کے دیکھنے کے لئے سورج کی شعاعوں اور مادی آنکھ کا ہونا ضروری ہے پھر خواب میں ہم رنگ کس طرح دیکھتے ہیں؟

بظاہر رات کو سورج کی روشنی ہوتی ہے نہ آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور نہ سورج سے آنے والی شعاعیں ریٹینا سے ٹکرا کر دماغ کے پچھلے حصہ تک پہنچتی ہیں لیکن پھر بھی ہم نیند کی دنیا میں رنگ، روشنی اور مناظر دیکھتے ہیں۔ غور کرنا ہے کہ خواب میں جو مناظر ہم دیکھتے ہیں ان کی تفصیلات بیداری میں دیکھے گئے مناظر کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں یعنی کم سے کم اسپیس میں زیادہ نظر آتا ہے۔

مثلاً خواب میں ہمیں کشش ثقل کا احساس نہیں ہوتا لیکن بیداری میں ہوتا ہے۔ آپ نے خواب میں خود کو پرندوں کی طرح اڑتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ عام مشاہدہ ہے کہ جب کسی سے بات کرتے ہیں تو نگاہ کے سامنے مخاطب یا اطراف کا ماحول ہوتا ہے — ہم خود اپنی نظر سے اوجھل ہوتے ہیں۔ لیکن خواب میں اس زاویہ نگاہ میں تبدیلی ہو جاتی ہے — ہم نہ صرف اطراف میں ماحول کو دیکھتے ہیں بلکہ اپنا سراپا بھی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔

ایک اور مثال فوٹو کی ہے۔ اہلِ خانہ کے ساتھ تقریب میں گئے اور موبائل یا کیمرے سے تصویر کھینچی۔ کچھ دنوں کے بعد نظر سے وہ تصویر گزرتی ہے تو ذہن میں اس دو جہتی (دو ڈائی مینشنل) تصویر کو دیکھ کر گزرے ہوئے واقعہ کی فلم دماغ کی اسکرین پر نشر ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیسے —؟

یہ نکات ابھی تحقیق کے مدارج میں ہیں۔ البتہ الہامی کتابوں میں جوابات تفصیل سے موجود ہیں۔

''اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی اور خوابوں کی تعبیر کا علم دیا۔ اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو مجھے اطاعت کی حالت میں اٹھا۔ اور اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔'' (یوسف:۱۰۱)

مصور بڑے کینوس پر تصویر بناتا ہے۔ تصویر میں بلند و بالا پہاڑ ہیں جن کے درمیان سے سورج طلوع ہو کر شعاعیں بکھیر رہا ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں جھیل

ہے، آسمان کا سایہ پڑنے سے پانی نیلا نظر آرہا ہے۔ فضا میں خوب صورت اور رنگ برنگ پرندے پرواز کررہے ہیں۔ جھیل کے کناروں پر سبزہ اور ہرے بھرے درخت ہیں اور ایک حسین ہرن اس سبزہ زار میں کھڑا ہے۔ بیان کردہ مناظر کی بنیاد کیا ہے؟

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان کی بنیاد سفید رنگ کا کینوس ہے۔ کینوس پر مصور نے مختلف رنگ ڈالے، سفید رنگ پس پردہ چلا گیا اور رنگوں نے متفرق نقش و نگار بن کر کہیں ہرن کا روپ دھار لیا، کہیں پہاڑ بن کر نمودار ہوگئے اور کہیں درخت اور پرندوں کی شکل میں سامنے آگئے اور کینوس نگاہ سے اوجھل ہوگیا۔ دیکھنے والا ان رنگوں سے بننے والی اشیا کو شناخت کرسکتا ہے لیکن یہی رنگ کینوس کے سفید رنگ کے لئے پردہ بن گئے۔ اگر کسی طریقہ سے کینوس کو صاف کیا جائے اور ان رنگوں کو مٹا دیا جائے تو اصل رنگ یعنی سفید باقی رہ جائے گا۔

آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر جائزہ لیں تو سر کے بال سے لے کر پیروں کے ناخنوں تک ہر عضو رنگوں میں ملفوف نظر آتا ہے۔ کیا ہم صرف رنگوں کا مجموعہ ہیں؟ اگر ہم رنگ ہیں تو پھر ان رنگوں کی بنیاد کیا ہے اور ہم کس کینوس پر موجود ہیں—؟ ارشاد باری ہے،

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔'' (النور: ۳۵)

ہر شے کی اصل نور ہے۔ نور تنزل کرکے روشنی بنتا ہے اور روشنی مزید محدود فریکوئنسی میں مظاہرہ کرتی ہے۔ روشنی کا مظاہرہ عالم ناسوت یا مادی دنیا ہے۔

خواب وہ زون ہے جہاں روشنی غالب ہے لیکن وہاں ہم خود سمیت ہر شے کو رنگوں میں دیکھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب تک اس عالم میں نگاہ بیدار نہیں ہوگی، خواب کا عالم ہمارے لئے تاریک رہے گا اور ہم وہاں داخل ہوکر بھی ہر شے کو عالم ناسوت کے لبادہ میں دیکھیں گے۔ زمین کینوس ہے جس پر سورج سے منعکس ہونے والی شعاعیں متفرق رنگوں میں بکھر کر نقش و نگار کو ظاہر کرتی ہیں۔ بالفاظ دیگر ارض یعنی نور کی اسکرین پر روشنی رنگوں میں ظاہر ہورہی ہے۔ نور — اللہ تعالیٰ کی صفت اور تخلیق کی بنیاد ہے۔ خالق کائنات نے قرآن میں نور کو صبغۃ اللہ کہہ کر متعارف کرایا ہے۔

''اللہ کا رنگ — اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہوسکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔''

(البقرۃ: ۱۳۸)

صبغۃ اللہ وہ بنیاد ہے جس پر کائنات مختلف رنگوں میں جلوہ گر ہے۔ روحانی سائنس پرچار کرتی ہے کہ انسان مختلف الوان (رنگوں) کے تغیر سے نکل کر اپنی اصل — نور الٰہی سے واقف ہوسکتا ہے۔ روحانی بندے نور الٰہی کو ''اللہ کا رنگ'' کہتے ہیں۔

خالق کائنات کا ارشاد ہے،

''اللہ دوست ہے ایمان والوں کا، انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔'' (البقرۃ: ۲۵۷)

تالیف: قرۃ العین واسطی

# باطن کی تسبیح

''تم پر اللہ کی رحمت ہو کہ تم اجازت کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھاتے۔ طریقت میں جس کو یہ مقام حاصل ہوا۔۔۔ ادب سے ہوا۔''

دنیاوی اغراض رکھنے والا ایک شخص ولی اللہ سے ملنے آیا اور دریافت کیا کہ فقیری میں آپ کو کیا کشف ہوا؟

بزرگ نے آیت تلاوت فرمائی،

''انہوں نے کہا، آپ کی ذات پاک ہے، جتنا علم آپ نے سکھا دیا ہے، اس کے سوا ہمیں نہیں معلوم۔''

(البقرۃ: ۳۲)

اس شخص نے اصرار کیا۔ بزرگ نے نظرانداز کیا۔ اصرار حد سے بڑھا تو انہیں جلال آ گیا،

''جاننا چاہتا ہے تو آئینہ میں اپنی شکل دیکھ لے۔''

خادم سے کہا، آئینہ لاؤ۔

آئینہ میں صورت دیکھی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ نصف چہرہ بندر کا اور نصف کسی دوسرے جانور کا تھا۔ حلق سے بمشکل آواز نکلی کہ یہ کیا ہوا، صورت کیسے بدل گئی؟

بزرگ نے فرمایا، بندروں اور جانوروں کو پوجتے ہو اس لئے شکل بھی ان جیسی ہو گئی ہے۔

کرامت دیکھ کر اس نے پچھلی زندگی سے توبہ کی اور عرض کیا کہ حضرت! میں بھی آپ کو ایک عمل بتاتا ہوں اس سے خزانہ ملے گا۔ جتنا چاہے خرچ کریں کم نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر ناریل خدمت میں پیش کیا کہ یہ باون تولے پاؤ رتی ہے۔ پھر تانبا چرخ دے کر (پگھلا کر) ناریل میں ڈالا۔ تانبا اسی وقت کندن ہو گیا۔

بزرگ تماشا دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا، اس میں بہت بکھیڑا ہے۔ ہم اللہ کے فضل سے آسان طریقہ جانتے ہیں۔ تھوڑا تانبا اور چرخ دو۔ تانبا پگھلانے کے بعد لعاب اس میں ڈال دیا۔۔۔ تانبا کندن ہو گیا۔

عرض کیا، اس میں کیا حکمت ہے؟

فرمایا، یہ اسم الٰہی کی برکت ہے۔ اللہ کا نام لے کر ہم کوئی کام کرتے ہیں تو اللہ کے فضل سے ہو جاتا ہے۔

اس نے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے اسے بیعت کر لیا۔

کئی برس ریاضت میں گزر گئے مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ ایک روز عرض کیا، پابندی سے اسباق کرتا ہوں لیکن حجابات نہیں کھلتے۔

بزرگ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا (ناریل اکسیر) تیرے پاس ہنوز موجود ہے۔

اقرار کرنے پر دریا برد کرنے کا حکم دیا اور فرمایا، فقیر سونے چاندی سے طمع کے بجائے متوکل رہتا ہے۔

ہدایت کے مطابق ناریل اکسیر کو دریا میں پھینک دیا — اندر میں دنیا روشن ہوگئی اور اولیا کی فہرست میں نام ہوا۔ پیرومرشد نے عبدالحق نام رکھ کر خلعت عطا کی، حقیقی علم کی ترویج کے بعد خدمت خلق کے لئے تبریز کی طرف رخصت کیا۔

شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کا تعلق علمی گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم آبائی وطن میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی کا رخ کیا۔ دہلی اس دور میں ہندوستان کا علمی و روحانی مرکز تھا۔ وہاں قیام کے دوران شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کا شہرہ سنا تو آستانہ جا پہنچے۔ محفلِ سماع ہو رہی تھی۔ شاہ کلیم اللہؒ کا دستور تھا کہ محفل شروع ہونے کے بعد کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ دروازہ پر دستک ہوئی تو آپ نے مرید کو اشارہ کیا کہ دیکھے، کون آیا ہے۔ مرید نے بتایا، کوئی مفلوک الحال شخص ہے، اپنا نام نظام الدین بتاتا ہے اور ملاقات کا خواہش مند ہے۔ شاہ کلیم اللہؒ نے نام سنتے ہی اندر لانے کو کہا۔ حاضرین کو تجسس ہوا کہ کون ہے جسے خلاف معمول سماع کے دوران اندر آنے کی اجازت دی گئی ہے۔

مریدین کی حیرانی پر شیخ نے فرمایا،

''اس شخص سے اور اس کے نام سے آشنائی کی بو آتی ہے — یہ غیر نہیں ہے۔''

شاہ اورنگ آبادیؒ ظاہری علوم کی تحصیل کے لئے شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے پاس آئے تھے لیکن قرب میں طبیعت باطنی علوم کی طرف مائل ہوگئی۔ علم کی غرض سے آنے والوں پر جاں فشانی سے توجہ فرماتے۔

ایک روز تدریس کے دوران ایک شخص خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ کلیم اللہؒ اس وقت شاہ اورنگ آبادیؒ کو پڑھا رہے تھے۔ شاہ صاحبؒ کے پاس بیٹھتے ہی اس پر مستی کی کیفیت طاری ہوئی اور دیر تک بے خودی کے عالم میں رہا۔ شاہ اورنگ آبادیؒ اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور پیرومرشد سے عقیدت میں اضافہ ہوا۔ تن دہی کے ساتھ علم کے حصول میں مصروف ہو گئے۔ خدمت کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

ایک روز شاہ کلیم اللہؒ کہیں جانے کے لئے اٹھے تو مرید نے آگے بڑھ کر جوتے اٹھائے اور صاف کر کے قدموں میں رکھ دیئے۔ پیرومرشد کو شاگرد کی ادا پسند آئی۔ پوچھا، نظام الدین! ہمارے پاس ظاہری علم سیکھنے آئے ہو یا علمِ باطن —؟

شاہ اورنگ آبادیؒ نے جواب میں شعر پڑھا:

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

ترجمہ: میں نے خود کو آپ کے سپرد کر دیا۔ اب کم و بیش کا حساب آپ جانیں۔

شعر سن کر شاہ کلیم اللہؒ چونک گئے اور اپنے پیرو مرشد شیخ یحییٰ مدنیؒ کی پیشین گوئی یاد آ گئی۔ فرمایا تھا،

''اگر کوئی تم سے ملنے آئے اور یہ شعر پڑھے تو جان لینا کہ اسے ہماری نسبت حاصل ہو گی اور چشتیہ سلسلہ اس کے ذریعے مزید آگے بڑھے گا۔''

شاہ کلیم اللہؒ نے جان لیا کہ مریدِ خاص آ گیا ہے۔ بیعت کر کے باطنی تربیت شروع کی اور وقت مقررہ پر اللہ کے پیغام کو پھیلانے کے لئے دکن روانہ کر دیا۔

جب شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی دکن آمد ہوئی تو یہ تاریخِ ہند کا نازک دور تھا۔ اورنگ زیب سلطنت کی بقا کے لئے مرہٹوں سے نبرد آزما تھا۔ اقتدار کا سورج آخری سانسیں لے رہا تھا۔ باغی قوتوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور ہر طرف خوف و ہراس اور سراسیمگی کا عالم تھا۔ پُر آشوب دور میں اصلاح کا بیڑا اٹھانا ہمت طلب کام تھا۔ قدرت مخلوق کو علم و راحت سے آشنا کرنے کے لئے ان بندوں کا انتخاب کرتی ہے جو علم و حکمت کا ذوق رکھتے ہیں۔ اس پُر آشوب دور میں شیخ اورنگ آبادیؒ نے لوگوں کو روشنی دکھائی۔

شیخ اورنگ آبادیؒ شاہی لشکر کے ہم راہ دکن روانہ ہوئے تھے لہٰذا لشکر سے تعلیمات کا آغاز کیا۔ کوشش رنگ لائی اور لشکر میں شامل لوگ تعلیمات سے فیض یاب ہوئے۔ معتقدین کی تعداد میں روز بہ روز اضافہ ہوا۔ مشن میں پیش رفت پر پیرو مرشد شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں،

''معلوم ہوا ہے کہ لشکر میں بہت سے جوان تمہاری وضع قطع سے مرعوب ہوئے اور تمہارے طریقہ کی تعظیم کی۔ لگتا ہے کہ رشد و ہدایت کو پہچان گئے ہیں۔''

تبلیغ اور اصلاح کے عمل کو پھیلانے کے لئے مختلف مقامات پر قیام کیا۔ اس ضمن میں پیرو مرشد بھی مکتوبات کے ذریعے ہدایات ارسال فرماتے تھے۔

ایک مکتوب میں شاہ کلیم اللہؒ تحریر فرماتے ہیں،

''محل وقوع کے پیش نظر برہان پور کو مسکن بنا لو، مشن کی ترویج میں سازگار رہو گا۔ علاوہ ازیں دریا کے کنارے اگر صحرا بھی ہو تو قدرت اسے آباد کر دیتی ہے۔''

برہان پور جغرافیائی لحاظ سے اہم تھا۔ نہ صرف شمالی ہندوستان کے لوگوں کی گزرگاہ تھی بلکہ دکن کے لوگ بھی حج پر جانے کے لئے یہاں سے گزرتے تھے۔ لیکن کسی وجہ سے برہان پور مسکن نہ بن سکا۔ آخر کار اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی۔

شاہ کلیم اللہؒ شاگرد کی فرماں برداری پر بہت نازاں تھے۔ پیرو مرشد نے ایک مکتوب میں دعا دی،

''تم پر اللہ کی رحمت ہو کہ تم اجازت کے بغیر قدم نہیں اٹھاتے۔ طریقت میں جس کو یہ مقام حاصل ہوا — ادب سے ہوا۔ فقیر کو تم سے بڑی انسیت ہے۔ اگر میں تم پر مہربان نہ ہوں تو کس پر مہربان ہوں گا۔''

شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ شیخ اورنگ آبادیؒ کے آستانہ کے دس دروازے تھے۔ ہر دروازہ پر ایک کاتب ہوتا جو مسئلہ پرچہ پر لکھ کر شیخ اورنگ آبادیؒ کی مہر لگاتا تھا۔ سائل مہر لگا پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا، امیر اس کام کو کرنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا تھا۔ خانقاہ پر آنے والا ہر فرد ذوق کے مطابق فیض پاتا۔ ایک مرید خواجہ کامگار خان لکھتے ہیں کہ خانقاہ دیکھ کر خواجہ حافظؔ کا شعر یاد آتا ہے،

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
گیرودار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

ترجمہ: جو آنا چاہے اسے کہو کہ آؤ اور جانا چاہے تو کہو جاؤ۔ اس درگاہ میں کوئی پوچھ گچھ اور دربان نہیں ہے۔

شیخ اورنگ آبادیؒ کے انداز گفتگو نے لوگوں کے دل موہ لئے۔ وعظ و نصیحت سے ہزاروں لوگ تائب ہوئے۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ درس و تدریس کے مؤثر نظام کی بدولت مریدین کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔ خوش گفتار تھے۔ روانی ایسی کہ موزوں الفاظ کا دریا بہہ رہا ہو۔ موقع محل کی مناسبت سے اشعار پڑھتے۔ لہجہ میں تاثیر سے سننے والے پر رقت طاری ہوجاتی۔ ایک مرتبہ عبادت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انہوں نے شعر پڑھا،

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

ترجمہ: تیس سال کے بعد خاقانیؔ پر یہ مفہوم منکشف ہوا کہ اللہ کے ساتھ ایک پل کا حضور ملک سلیمانی سے بہتر ہے۔

شیخ اورنگ آبادیؒ کے ایک مرید نے مرشد کی تعریف وتوصیف ان الفاظ میں بیان کی،

آتش بدلم جمال رویت افروخت
و زشعلہ آں خرمن ہستی ہمہ سوخت
زلف تو مرابہ بست و مژگان تو کشت
حسن تو مراخرید و عشق تو فروخت

ترجمہ: تیرے چہرہ کے جمال نے دل میں آگ بھڑکادی ہے اور اس الاؤ نے میری ہستی کو راکھ کردیا ہے۔ تیری زلف نے مجھے باندھ لیا اور پلکوں نے ہلاک کرڈالا۔ تیرے حسن نے مجھے خریدا (اطاعت گزاری) اور تیرے عشق نے مجھے بیچ دیا (خودسپردگی) ہے۔

شیخ اورنگ آبادیؒ کسی کی نذر نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔ پیرومرشد کو علم ہوا تو فرمایا کہ جب کوئی خلوص سے نذر کرے تو اس کی خوشی کے لئے قبول کر کے ضرورت مندوں میں تقسیم کردو۔

ملاقات کے لئے آنے والوں کو بغیر تواضع کے جانے نہ دیتے۔ اگر اس وقت کچھ نہ ہوتا تو خوش بوعنایت فرماتے۔ کھانے میں اپنے ساتھ ضرور کسی کو شریک کرتے اور اگر کوئی موجود نہ ہوتا تو کسی کے ہاں کھانا بھجوا کر پھر تناول فرماتے تھے۔

حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے اسلاف کی

پیروی کرتے ہوئے شاہی لوازمات سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ امرا وسلاطین کے تحائف قبول نہیں کرتے تھے اور نہ شاہی دربار میں حاضری دیتے تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہِ وقت نے خصوصی طور پر کھانا بھجوایا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔ دوسری مرتبہ یہ کہہ کر بھیجا کہ صوفیوں کے لئے قبول کر لیجئے لیکن آپ نے معذرت کر لی۔ بادشاہ نے دربار میں آنے کی دعوت دی تو انکار کر دیا۔ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کو معلوم ہوا تو تعریفی کلمات سے نوازا،

''اچھا کیا کہ یہ پیش کش قبول نہیں کی کہ یہ بادشاہوں کا وتیرہ، رعونت اور زبردستی ہے۔ اگر ان کی طبع میں انکساری اور فقیروں کی خدمت کا جذبہ ہو تو اس طرح حکم چلانے کے بجائے سر جھکائے باادب خدمت میں حاضر ہوں اور فقیر کی چوکھٹ پر زندگی گزار کر داد وتحسین کے مستحق ہوں۔''

جس زمانہ میں دکن میں قیام تھا، وہاں کے نواب غازی الدین نے ضیافت کا اہتمام کیا لیکن آپ نے معذرت کر لی۔ پیرومرشد کو معلوم ہوا تو مکتوب لکھا:

''تم نے لکھا تھا غازی الدین خان نے ملاقات کے لیے بلایا اور تم نہیں گئے۔ تم نے نہ جا کر بہت اچھا کیا۔ اگر اسے عقیدت ہوتی تو خود حاضر ہوتا، خود آرائی نہ کرتا۔''

درس وتدریس سے خاص شغف تھا۔ اعلیٰ علمی ذوق کے حامل تھے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں اذکار واشغال سے متعلق کتاب ''نظام القلوب'' مشہور ہے۔

ایک شاگرد نے پوچھا کہ منزل تک پہنچنے کا آسان راستہ کون سا ہے ــــ؟

فرمایا، نیت خالص ہو تو سارے راستے آسان ہیں اور نیت میں کھوٹ ہو تو سارے راستے مشکل ہیں۔

پوچھا، نیت خالص ہونے کی نشانی کیا ہے؟

فرمایا، عشق ــــ اور عشق ذکر سے ملتا ہے۔

حضرت! وہ کیسے؟

فرمایا، ذکر نہایت فائدہ مند ہے، اس سے نافع میں نے کوئی چیز نہیں پائی۔ ذکر ہر وقت کرتے رہنا چاہئے تاکہ غیر کا دل میں گزر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم یاد کرو مجھ کو تو میں یاد کروں تم کو، اور میرا شکر کرو اور انکار کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

حضرت اورنگ آبادیؒ نے مریدین کی اصلاح و تربیت میں مرشد کی دی گئی ہدایات کو پیش نظر رکھا اور تربیت کا پروگرام اصول وقواعد کے مطابق ترتیب دیا۔ قرآن میں غور وفکر پر خاص توجہ دی اور تفکر بیدار کیا۔ فرماتے تھے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد خالق کی بندگی کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''میں نے جن وانس کو سوائے اس کے کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

(الذّٰریٰت:۵۶)

فرمایا کہ عبادت سے مراد بندگی ہے۔ بندگی یہ ہے کہ اللہ کو ہر وقت حاضر وناظر جانیں اور ہر کام اللہ کی

پسند و ناپسند کو مدنظر رکھ کر کریں۔ جب تک آدمی حکم الٰہی کے تابع نہ ہو جائے — وہ بندہ نہیں۔ پس سب پر لازم ہے کہ اس کام میں پوری پوری کوشش کریں۔

کسی مرید نے تحفہ میں تسبیح پیش کی اور کہا کہ اس میں چند دانے ایک بڑے بزرگ کی تسبیح کے شامل ہیں۔

شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے فرمایا، تبرک کے طور پر یہ تمہارے پاس رہے تو بہتر ہے۔ میں تسبیح ہاتھ میں نہیں لیتا کیوں کہ اپنے اندر کی تسبیح میں مشغول رہتا ہوں۔ پھر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

''جس کے ہاتھ میں باطن کی تسبیح ہو، وہ ظاہری تسبیح کیوں ہاتھ میں پکڑے گا — ؟''

---

خانقاہ میں قوال کلام پڑھ رہے تھے۔ اجنبی محفل میں شریک ہوا اور کسی شعر پر بحث شروع کر دی۔

آپ نے فرمایا، اس وقت بحث مناسب نہیں، سماع کے بعد سوال جواب کر لینا۔

نام دریافت کیا تو اس نے عبدالغنی بتایا۔

فرمایا، فقیروں سے جھوٹ بولنا اچھی بات نہیں۔

اس نے نام عبداللہ بتایا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

کچھ دنوں بعد دوبارہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس روز جب تم آئے تھے تو سماع ہو رہا تھا لہٰذا سوال جواب کا موقع نہ تھا۔ اب جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔

عرض کیا، جناب! معافی مانگنے آیا ہوں۔

مسکرائے اور فرمایا، بیٹا! تمہارا نام عبدالغنی ہے نہ عبداللہ۔ پھر اصل نام، رہائش اور تعلیمی قابلیت بتائی۔

وہ نادم ہوا اور عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا۔

---

ایک پریشان حال شخص حاضر ہوا اور زوجہ کی بیماری کا بتا کر زار و قطار رویا۔

فرمایا، میں طبیب نہیں ہوں۔

اس نے گریہ وزاری کی تو آپ نے پانی پر دم کر کے کہا کہ مریضہ کو پلا دینا اور اور زمین سے تھوڑی گیلی مٹی اٹھا کر دی کہ یہ زخموں پر لگاؤ۔ اللہ کے حکم سے شفا ملے گی۔ خاتون صحت یاب ہو گئی۔

شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے 12 ذیقعد 1142ھ کو اورنگ آباد میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک پر ایک خوب صورت گنبد، اور قریب مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

شجرۃ الانوار میں غلام سرور نے تاریخ لکھی ہے۔

شد زدنیا چو سوئے خلد بریں
راہبر راہنما نظام الدین
سال ترحیل اوست شیخ کبیر
ہم ولی لہٰذا نظام الدین

ترجمہ: راہ نما اور راہ بر نظام الدین فردوس کی طرف روانہ ہوئے، رحلت کا سال ''شیخ کبیر'' بنتا ہے۔ ولی لہٰذا نظام الدین سے بھی یہی سال (1142ھ) نکلتا ہے۔

سید اسد علی

# تقدیر معلّق ـــ تقدیر مُبرم

حالات آدمی کی گرفت سے باہر ہیں اور مرضی کے تحت رونما نہیں ہوتے۔ ایسے میں یقین ہو جاتا ہے کہ تقدیر ماورائی قوت کے ہاتھ میں ہے۔

قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے ہاتھ کی لکیریں پڑھنا قدیم فن ہے۔ ماہرین کے مطابق ہتھیلی میں چار (4) مرکزی لکیریں ہوتی ہیں۔ دل، دماغ، قسمت اور زندگی کی لکیر۔ دولت کی کوئی خاص لکیر نہیں لیکن اس کا حصول بالواسطہ طور پر چاروں سے منسلک ہے۔

ماہرین کے مطابق اگر قسمت کی لکیر ہتھیلی کی جڑ سے شروع ہو کر درمیانی انگلی کے بجائے شہادت کی انگلی (index finger) کی طرف بڑھتی چلی جائے تو یہ عزت و مرتبہ کے حصول اور سیاست میں کامیابی کو ظاہر کرتی ہے۔ ایک اور لکیر جو اہم لکیروں میں شمار ہوتی ہے سورج کی لکیر کہلاتی ہے۔ یہ لکیر ہتھیلی کی جڑ سے شروع ہو کر انگوٹھی والی انگلی پر ختم ہوتی ہے۔ یہ زندگی میں شہرت اور نام وری کے حصول کی علامت ہے۔ ہتھیلی پر ایک اور لکیر الہام کی لکیر (line of intuition) کہلاتی ہے۔ یہ چھوٹی انگلی کی جڑ سے شروع ہو کر انگوٹھے کی جڑ کی طرف بڑھتی ہے۔ اس کی موجودگی الہامی صلاحیت اور سچے خوابوں کو ظاہر کرتی ہے۔

لوگ سوال کرتے ہیں کہ ہاتھ کی لکیریں تبدیل ہوتی ہیں پھر قسمت کا حال کیسے معلوم ہو؟ کیا لکیروں کی طرح قسمت بھی مستقل بدلتی ہے؟ قسمت ان کی بھی ہے جن کے ہاتھ نہیں ہیں۔ اعتراضات کے سبب ہاتھ کی لکیروں کا فن متنازعہ ہے ـــ کوئی یقین کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔

رمل اور جفر قدیم علوم میں شمار ہوتے ہیں۔ دونوں مستقبل کی پیشین گوئیوں سے متعلق ہیں۔ ان کے تحت مختلف سوالوں کے جوابات معلوم کئے جاتے ہیں جیسے،

★ میرا کاروبار کیوں بند ہے؟
★ کیا فلاں شخص میرا قرض واپس کر دے گا؟
★ کام کے لئے فلاں جگہ ٹھیک ہے؟
★ فلاں کی فلاں سے شادی کیسی رہے گی؟

عربی میں رمل ریت کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ علم خواب میں حضرت ادریسؑ پر وحی ہوا۔ تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ادریسؑ نے خواب میں فرشتہ جبرئیل کو دیکھا جو ریت پر اشکال بنا رہے تھے۔

آپ نے پوچھا، کیا بنا رہے ہو؟

جواب میں جبرئیل نے رمل کی 16 اشکال کے راز سے انہیں آگاہ کیا۔

روایت ہے کہ حضرت ادریسؑ سے یہ علم نسل در نسل منتقل ہوکر امام جعفر صادقؒ کو حاصل ہوا۔ علم رمل میں لکیریں اور نقطے بنائے جاتے ہیں جن سے حالات و واقعات کے متعلق راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے۔

''کسی نے رمل کے خطوط سے متعلق حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: یہ علم ایک نبی کو دیا گیا تھا اگر کسی شخص کے نقوش اس کے مطابق ہوجاتے ہیں تو اندازہ صحیح نکلتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے علم جفر سے بھی رجوع کیا جاتا ہے۔ یہ حروف اور اعداد کا باطنی علم ہے۔ موجودہ دور میں ماہرین ان علوم کے تحت جو حال بتاتے ہیں وہ کبھی صحیح اور کبھی غلط ثابت ہوتا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ علم جفر اور علم رمل موجودہ دور میں اصلی حالت میں موجود نہیں۔

قسمت کی کتاب پڑھنے کی ایک کوشش علم نجوم ہے۔ نجوم نجم کی جمع ہے اور نجم ستارہ کو کہتے ہیں۔ علم نجوم میں ستاروں کی حرکات کا مطالعہ کر کے مستقبل معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عوام میں اس کی مقبولیت کے پیش نظر ٹی وی چینلوں پر ''یہ ہفتہ کیسا رہے گا'' کے پروگرام نشر ہوتے ہیں اور اخبارات میں باقاعدگی سے کالم شائع ہوتے ہیں۔

کئی افراد دن کا آغاز قسمت کا حال پڑھ کر کرتے ہیں۔ کچھ لوگ مصنوعات متعارف کرانے سے پہلے زائچہ بنواتے ہیں۔ کئی ممالک میں شادی کی تاریخ نجومیوں کے مشورہ سے طے کی جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے افراد بھی علم نجوم سے استفادہ کرتے ہیں۔ ایک بار کسی مغربی ملک کی پارلیمان میں سائنس اور صحت کی کمیٹی کے ایک رکن نے پارلیمان کے اراکین کو بتایا، مجھے یقین ہے کہ پیدائش کے دن کے زائچہ کا مطالعہ کرنے سے زندگی آسان ہوجاتی ہے۔ تضحیک کا نشانہ بننے پر اس نے کہا کہ میں ان خیالات پر اپنا مذاق اڑائے جانے کی پروا نہیں کرتا۔

تقدیر کے متعلق تجسس اور علوم کی اختراعات کے باوجود آدمی قسمت کے آگے بے بس ہے۔

قسمت اور تقدیر کے متعلق سوچ بچار آج کی بات نہیں۔ ہم سے پہلے گزرنے والی اقوام بھی کیا، کیوں اور کب کی تلاش میں تھیں۔ حالات آدمی کی گرفت سے باہر ہیں اور مرضی کے تحت رونما نہیں ہوتے۔ ایسے میں یقین ہوجاتا ہے کہ تقدیر ماورائی قوت کے ہاتھ میں ہے۔

یونانی زبان میں قسمت کو موئیرا (moira) کہتے ہیں۔ قدیم یونانی تہذیب تقدیر پر یقین رکھتی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ زندگی تین دیوی بہنوں کے ہاتھ میں ہے۔

پہلی دیوی تعین کرتی ہے کہ فرد کب پیدا ہوگا۔ دوسری حالات و واقعات کو تحریک دیتی ہے۔ تیسری دیوی موت کا پروانہ جاری کرتی ہے۔

افلاطون کتاب ''ری پبلک'' میں لکھتا ہے،

''قسمت کی دیویاں مل کر گانا گاتی ہیں۔ پہلی کا گیت پیدائش سے متعلق ہے۔ دوسری زندگی میں ہونے والے واقعات سے متعلق گنگناتی ہے اور تیسری دیوی موت کا پیام دیتی ہے۔''

یونان میں بھی وہم پرست لوگ تھے۔ منفی اثرات سے حفاظت کے لئے درخت کی ٹہنیاں لپیٹی جاتی تھیں۔ عبادت کے وقت پتّوں سے بنا ہوا ہار پہنتے اور سمجھتے کہ محفوظ ہونے کے ساتھ مقدس ہوگئے ہیں۔

یونان کے شہر Corinth میں بت خانہ تھا جس کو Oracle of Delphi کہتے تھے۔ بت کے خول میں پجاری بیٹھ کر لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتا اور پیشین گوئیاں کرتا تھا۔ لوگ اسے غیبی آواز سمجھتے۔

رومیوں کا عقیدہ تھا کہ تقدیر لکھی جا چکی ہے، آدمی کٹھ پتلی ہے، تحریکات دیوتاؤں کے ہاتھوں میں ہیں۔ رومی زراعت پیشہ تھے، کھیتوں کے لئے دیویاں فرض کی ہوئی تھیں تاکہ فصل اچھی ہو۔

قدیم مصری دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے نذرانے دیتے، قربانی پیش کرتے اور دیوتاؤں کو خدا کی اولاد کہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مرنے کے بعد دل تولے جاتے ہیں، دل نقصان پہنچانے اور دیوتاؤں کی اطاعت نہ کرنے سے بھاری ہو جاتا ہے۔ معیشت کا انحصار زراعت پر تھا، وہ دیوتا کو فصلوں اور بارشوں کا ذمہ دار سمجھتے۔ دریائے نیل کی روانی کے لئے ہر سال کنواری لڑکی فرسودہ روایت کی بھینٹ چڑھ جاتی۔

قدیم ایران میں آسمانی دیوتا ورونا کو سب سے بڑا خدا مانا جاتا۔ روشنی کے دیوتا کا نام متھرا تھا۔ ورونا اور متھرا کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ یہ اعمال اور دلوں کے حال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

مشہور چینی فلسفی لاؤزی تقدیر سے متعلق کہتا ہے:

'' خیالات کا جائزہ لو وہ الفاظ کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ الفاظ اعمال کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ اعمال عادات بن جاتے ہیں۔ عادات کردار کا روپ دھار لیتی ہیں اور کردار مقدر بن جاتا ہے۔''

ماہرین فلسفۂ قسمت پر دو نظریات پیش کرتے ہیں۔ ایک گروہ کے مطابق فرد اختیار اور مرضی استعمال کرتا ہے جب کہ فلسفیوں کا دوسرا گروہ بے اختیاری کا قائل ہے۔ سقراط نے ارادہ کی آزادی کی حمایت کی۔ ارسطو نے آدمی کو آزاد اور مجبور دونوں بتایا۔

سائنسی نقطۂ نگاہ سے دیکھیں تو بعض محقق قسمت کے تصور کو نہیں مانتے اور مظاہر پر اصرار کرتے ہیں۔ البتہ محققین میں ایسے لوگ ہیں جو تقدیر کے قائل ہیں۔

دیمقراطیس (Democritus) نے 400 قبل مسیح میں نظریہ پیش کیا کہ تمام اشیا قانون فطرت کی پابند

ہیں۔صدیوں بعد ویرنر ہائزن برگ نے1927ء میں ''اصولِ غیر یقینی'' پیش کیا جس کے مطابق الیکٹرون کے رویہ کے متعلق پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی، یہ ذرّہ اور لہر دونوں طرح کا رویہ اختیار کرسکتا ہے۔اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے محققین رائے قائم کرتے ہیں کہ ذرّات یا افراد کے پاس ارادہ واختیار ہے۔

اس کے برعکس اسٹیفن ہاکنگ کہتا ہے،

''ہم سمجھتے ہیں کہ حیاتیاتی عمل کیمیائی اور طبعی قوانین کے تابع ہے اور تغیر کے بغیر عمل پذیر ہے جیسے سیاروں کی مدار میں گردش۔تجربات تائید کرتے ہیں کہ رویوں کا تعین حیاتیاتی عوامل سے ہے۔پھر یہ تصور مشکل ہے کہ ہم ارادہ واختیار میں خودمختار ہیں کیوں کہ ہمارے رویے طبعی قوانین سے متعین ہوتے ہیں۔دراصل ہم سب حیاتیاتی روبوٹ ہیں اور اختیار صرف ایک دھوکا ہے۔'' (کتاب: دی گرینڈ ڈیزائن)

پیشین گوئی سے متعلق ہاکنگ کا کہنا ہے،

''پیشین گوئی تقریباً ناممکن ہے۔اس کے لئے جسم میں کھربوں خلیات کی تحریکات معلوم کرنا ہوں گی اور ان معلومات کے لئے اربوں سال درکار ہوں گے۔''

مسلمانوں میں دیوی دیوتا کا تصور نہیں۔اللہ کی وحدانیت اور تمام انبیائے کرام پر ایمان بنیادی عقیدہ ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''کہو! ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے، اور وہ یکتا ہے اور سب پر غالب۔'' (الرعد:۱۶)

نظام کائنات میں ہر چیز مقرر ہے۔

''ہر قوم کے لئے مہلت کی مدت مقرر ہے۔پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوجاتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر یا تقدیم نہیں ہوتی۔'' (الاعراف:۳۴)

تقدیر کا مادہ (root word) ق در ہے۔لغت میں ''قدر'' کے معانی ۱۔اندازہ کرنا۔ ۲۔تدبیر کرنا ۳۔فیصلہ کرنا ۴۔مقدار کے مطابق بنانا ۵۔وقت مقرر کرنا وغیرہ ہیں۔

''ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے اور ہمارا حکم بس ایک حکم ہوتا ہے اور پلک جھپکتے وہ عمل میں آجاتا ہے۔'' (القمر: ۴۹۔۵۰)

''اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔درخت سے گرنے والا کوئی پتّا ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔خشک و تر سب کتاب مبین میں لکھا ہوا ہے۔'' (الانعام: ۵۹)

پتّے کی ہر حرکت، زمین پر ہر دانہ اور خشک و تر میں جو کچھ ہے سب اللہ کے علم میں ہے۔پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ آدمی بااختیار ہو ــــ؟

مثال: ایک ویڈیو گیم ہے جس کے پانچ مراحل ہیں۔کھیلنے والے کو معلوم ہے کہ درست کھیلنے پر انعام ملے گا اور غلطی پر گیم سے باہر ہوسکتا ہے۔بعض اوقات ہر قدم پر بونس ملتا ہے اور ایک لیول پورا ہونے پر وہ اگلے لیول میں چلا جاتا ہے۔گیم کی مناسبت سے

حالات مشکل یا آسان ہوتے ہیں۔

مثال سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ ویڈیو گیم مکمل طور پر لکھا ہوا پروگرام ہے۔ اس میں درخت ہیں تو ان کی حرکات پروگرام میں ریکارڈ ہیں۔

۲۔ ویڈیو گیم کی عکس بندی ہو چکی ہے۔ صحیح یا غلط فیصلہ کی صورت میں کون سی دنیا سامنے آئے گی، پہلے سے فلمایا جا چکا ہے۔ کھیل میں جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوگا وہ ماضی ہے۔

۳۔ گیم کھیلنے والے کو صرف ارادہ کا اختیار ہے، وہ گیم میں تبدیلی تو کیا، ایک منظر کو بھی بدلنے پر قدرت نہیں رکھتا!

۴۔ ہارنے پر کوئی نہیں کہتا کہ ہر حرکت کا علم پروگرام بنانے والی ہستی کو ہے اس لئے میں گیم ہار گیا۔ وہ جانتا ہے کہ غلط قدم اٹھانے کے سبب اگلے مرحلہ پر نہیں پہنچا۔

مثال کم زور ہے البتہ مثالوں سے ذہن کی گرہیں کھلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی کھیل اور دل لگی کے سوا کچھ نہیں ہے''۔ (الحدید:۲۰)

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ تقدیر کے متعلق فرماتے ہیں،

''ہر انسان کے اندر دو تقدیریں کام کرتی ہیں۔

۱۔ تقدیر معلق ۲۔ تقدیر مبرم

تقدیر معلق میں آدمی کو اختیار کا عمل دخل ہے اور مبرم میں اختیار نہیں۔ زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ہر آدمی دو رخوں پر زندگی گزارتا ہے۔ مثلاً ہر فرد کو بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، گرمی سردی سے متاثر ہوتا ہے۔ بندہ کھائے پیئے بغیر زندہ نہیں رہتا۔ سونا جاگنا بھی مخلوق کی مجبوری ہے۔ لیکن کھانا کتنا کھائے، پانی کتنا پیئے، کتنی دیر سوئے، یہ تقدیر معلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم کھائے پیئے بغیر زندہ نہیں رہتے لیکن کھانے پینے میں کمی بیشی کرنے کا ہمیں اختیار ہے۔

اللہ رب العالمین کو تسلیم کرنا تقدیر مبرم ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتا ہے تو انکار بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ہستی ہے جس کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اگر ہستی نہ ہو تو انکار اور اقرار دونوں زیر بحث نہیں آتے۔''

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کی ایک مثال مصر کے بادشاہ کا خواب ہے جس کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے بتائی۔

بادشاہ مصر'' ملک الریان'' نے خواب دیکھا کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گائیوں کو نگل رہی ہیں، سات بالیں ہری ہیں اور سات بالیں سوکھی۔

حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بتائی کہ مصر میں سات سال خوش حالی کے ہوں گے، اس کے بعد سات سال قحط پڑے گا۔ قحط سے محفوظ رہنے کے لئے اہرام بنوائے تاکہ غلہ محفوظ ہو۔ حکمت عملی سے لوگ قحط میں بھوکے مرنے سے بچ گئے۔

واقعہ کا تعلق تقدیر مبرم سے ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ نہ حضرت یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ! قحط کو ٹال دے۔ الہامی علوم کے تحت انہوں نے اہرام بنوائے۔ حضرت یوسفؑ کی اہرام بنانے کی حکمت عملی کا تعلق تقدیر معلق سے ہے۔ (آخری قسط)

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

# PRIME LACE INDUSTRIES
## (PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

ڈاکٹر سید امجد علی جعفری

# جینا مرنا اور جینا ایک ہی بات ہے

جسم میں داخل ہوتے ہی پہلا خیال آیا کہ یہ جسم میرے لئے نیا نہیں، میں ماضی میں بھی اس وزن کو اٹھائے پھرتا رہا ہوں اور آئندہ بھی نامعلوم وقت تک اس بوجھ کو گھسیٹنا ہے۔

دو قوتوں کے باہمی ربط اور توازن میں رہنے کی بدولت زندگی رواں دواں ہے۔ پہلی قوت روح، دوسری جسدِ خاکی ہے۔ روح — جسد کا ساتھ مستقل طور پر چھوڑ دے تو جسم پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ نیند موت سے ملتی جلتی کیفیت ہے جس میں مادی جسم اور روح کے رشتہ میں عارضی طور پر وقفہ آ جاتا ہے۔

''اللہ موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسری روحیں ایک وقت مقرر کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں نشانی ہے۔'' (الزمر:۴۲)

زیرِ نظر مضمون میری زندگی کے دو حقیقی واقعات سے متعلق ہے جب میں دو بار موت سے ملتی جلتی حالت سے گزرا اور زندگی کو قریب سے دیکھا۔

---

پہلا واقعہ: اگست 1955ء کا ذکر ہے کہ میں نجی ادارہ کے ایک پروگرام کے تحت پیدل چلنے کے شوقین افراد کی ٹیم کے ساتھ درہ رتی کی سیاحت پر تھا۔ یہ وادی نیلم میں واقع ہے، سطح سمندر سے تقریباً 17 ہزار فٹ کی بلندی پر ہے اور رتی گلی کے نام سے مشہور ہے۔ سفر پیدل بالاکوٹ سے شروع کیا گیا تھا۔ ہم کوائی، مہاندری، کاغان، ناران، باٹا کنڈی، بوراوائی، رتی گلی، نیلی کھٹیاں، کرن، عیش کوٹ سے ہوتے ہوئے نوسہری پہنچے۔

17 اگست کی شام نوسہری میں آبادی سے باہر دریا کے کنارے پڑاؤ کے لئے جگہ کا انتخاب کیا گیا۔

18 اگست صبح تقریباً پانچ بجے پہاڑ اپنی جگہ سے معمولی سرکا — لینڈ سلائیڈنگ ہوئی اور ٹیم کے اراکین میں سے صرف میں اس کی زد میں آ کر ٹنوں مٹی تلے دب گیا۔ محسوس ہوا جیسے میں جسم میں رہ کر بھی جسم میں نہیں۔ کچھ دیر گزری تھی کہ میرے گرد روشنی کا ہالہ بن گیا، ہالہ میں برگزیدہ ہستیاں نظر آئیں جن سے میں شناسا نہیں تھا لیکن سیرت النبیؐ

اور دیگر مذہبی کتب کے مطالعہ کی بنیاد پر خیال غالب تھا کہ یہ مقرب بارگاہ ہستیاں ہیں اور لہروں کے ذریعے مجھ سے ہم کلام ہیں۔

آواز آئی ـــــ گھبراؤ نہیں، اطمینان سے پُرسکون رہو۔ انہوں نے چند مزید پیغامات دیئے۔

جسم بے سدھ اور میں ملبے میں دبے ہونے کے باجود پُرسکون تھا اور ٹنوں وزنی ملبے کے نیچے سے اوپر ہونے والی افراتفری دیکھ رہا تھا۔

میرے ساتھ ٹیم میں 17 افراد تھے جن میں سے چند کے نام مجھے آج بھی یاد ہیں۔ سب میرے لئے پریشان تھے۔ اس ٹیم میں ممتاز اداروں سے وابستہ اساتذہ بھی تھے۔ ٹیم کے اراکین اور مقامی آبادی کچھ دیر کی تگ دو کے بعد منظّم ہو چکی تھی۔ مقامی رضا کاروں نے کھدائی کا کام شروع کیا۔

رات صبح اور صبح دوپہر میں ڈھل رہی تھی۔ کافی وقت گزر گیا اور یہ لوگ کھدائی کرتے ہوئے تھک گئے۔ دریں اثنا وہاں تعینات افسر تجربہ کی بنیاد پر مقامی راہ نما کو قائل کرنے میں مصروف تھے کہ کھدائی غلط جگہ کی جارہی ہے۔ ان کا تجزیہ تھا کہ لینڈ سلائڈ کی رفتار کی مناسبت سے گرد و پیش کی اشیا 10 سے 15 فٹ تک نیچے گئی ہیں۔ میں جس جگہ سویا تھا وہاں سے زمین سرکنے پر پتھروں کا ملبا 12 سے 15 فٹ دور تھا۔ اس لئے افسر کو یقین تھا کہ اگر اس کی بتائی گئی جگہ پر مجھے تلاش کیا جائے تو کامیابی ہوگی۔ اس کا کہنا تھا کہ میری تلاش مطلوبہ مقام سے کئی فٹ پہلے کی جارہی ہے۔ افسر کے دلائل سے قائل ہونے کے بعد مقامی رضا کاروں نے ان کے بتائے گئے مقام پر کھدائی کی۔ اللہ نے کرم کیا اور بالآخر مجھے نکال لیا گیا۔ پتھروں اور چھت کی کڑیوں کے ایک خاص انداز میں رک جانے کے سبب ملبے کے اندر جگہ بن گئی تھی، میں وہاں گرا اور قدرت نے مجھے محفوظ رکھا۔

پھر روشن ہستیوں میں سے ایک نے پیغام دیا اور میں نے خود کو ایک جسم میں داخل ہوتے دیکھا۔ سانس کی آمد و رفت محسوس ہونے لگی۔ اس سے قبل جسم میں حرکت نہیں تھی۔

اللہ کی مہربانی سے جسم پر معمولی خراش تک نہ آئی۔ مجھے باہر نکالا گیا تو میں توانائی سے بھرپور تر و تازہ تھا جیسے میں ملبے میں دبا ہوا نہیں تھا بلکہ اندر کی دنیا گھوم کر آیا ہوں۔ باہر موجود لوگوں کے لئے یہ بات حیران کن تھی۔ اسی سہ پہر ٹیم کے ساتھ پیدل دھنی قصبہ سے ہوتا ہوا مظفر آباد شہر کے لئے روانہ ہوا۔ پورے سفر کے دوران ہم روزانہ اوسطاً 16 میل پیدل چلتے تھے۔ ٹیم کے شرکا اور دیگر مقامی لوگوں کو میں نے بتایا کہ میں ٹنوں مٹی کے نیچے دبا ہوا ان کی باتیں سن رہا تھا اور یہ کہ انہوں نے میرے متعلق کس سے کیا کہا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ اب تلاش بند کردو اور بھول جاؤ، لاش نہیں ملے گی۔

وہ حیران تھے کہ بھاری ملبے کے نیچے میں نے ان کی

آواز کیسے سنی۔ جب کہ میں نے صرف آواز نہیں سنی تھی، انہیں دیکھا بھی تھا! کسی نے یقین نہیں کیا۔

دوسرا واقعہ: 22 مارچ 1984ء کا ذکر ہے کہ میں قومی ادارہ امراض قلب، کراچی میں دل کا پہلا دورہ پڑنے کے بعد داخل کیا گیا۔ ٹیسٹ کی بنیاد پر ڈاکٹروں نے میرے تیماردار کو بتایا کہ آئندہ 24 گھنٹوں میں مجھے دل کا شدید دورہ پڑنے کا اندیشہ ہے۔

اگلے روز دوپہر میں دل کی حرکت بند ہوتی محسوس ہوئی۔ رفیقۂ حیات سے کہا، میں اس دنیا کو خیرباد کہہ رہا ہوں، خدا حافظ!

یہ کہنے کے بعد میرا رنگ و بو کی دنیا سے رابطہ منقطع ہوگیا۔ آج بھی ملال ہے کہ میں نے اس وقت کلمہ طیبہ کیوں نہیں پڑھا۔ بیگم کہتی ہیں کہ میرے ہونٹ ضرور ہلے تھے لیکن ان کے ارتعاش سے کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی۔ بعد ازاں یک لخت ناخن اور ہونٹ نیلے ہوگئے۔ نبض رک گئی اور گردن ڈھلک گئی۔

بیگم کی چیخ نکلی اور ڈاکٹر ہنگامی طبی امداد مہیا کرنے کے لئے میری طرف لپکے۔ آناً فاناً وہ مجھے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں لے گئے۔ پہلے انجکشن سے سینہ میں دوا داخل کی پھر دونوں ہاتھوں کے دباؤ اور اٹھاؤ کے عمل کی مدد سے دل کو حرکت میں لانے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد بجلی کی مشین کے ذریعے سینہ پر جھٹکے دے کر دل کو متحرک کرنے کی سعی بھی بار آور نہیں ہوئی۔ تقریباً بیس منٹ دل خاموش رہا۔

طب جدید کے حربے آزما لینے کے بعد آخرکار ڈاکٹروں نے ہار مان لی اور میرا چہرہ ڈھانپا جانے لگا۔ ایک ڈاکٹر کمرے سے باہر بیگم کو خبر دینے کے لئے الفاظ تلاش کر رہا تھا کہ اتنے میں جونیئر ڈاکٹر کمرے سے تیزی سے نکلی اور سینیئر ڈاکٹر سے کہا کہ مریض کے جسم میں حرکت محسوس ہوئی ہے۔ دونوں تیز قدموں سے اندر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ تقریباً بیس منٹ تک مردہ رہنے والے جسم میں آہستہ آہستہ زندگی کے آثار نمودار ہوئے۔

اس دوران سننے میں نے کیا دیکھا۔

آنکھیں بند ہونے کے بعد میں نے روشنی کے ہالہ میں ایک شخص کو قریب آتے دیکھا۔ اس نے مجھے ہاتھ لگایا، محسوس ہوا جیسے ہر خلیہ سے زندگی منقطع ہو رہی تھی اور پیروں سے شروع ہوکر سر کی طرف سے نکل گئی۔ اس کے بعد میں نے روشنی سے بنا ہوا ایک فرد دیکھا۔ اس کی رفاقت میں سکون تھا۔ وارڈ کا جائزہ لیا اور ڈاکٹروں کو جان بچاتے ہوئے دیکھا۔ روشنی کا فرد میرے قریب رہا۔ دائیں جانب روشنی کی ایک سرنگ بن گئی تھی۔ اور میں سرنگ کی دنیا میں مناظر دیکھ رہا تھا۔ اس دوران خود کو نئی دنیا کا مکین سمجھا۔ خاکی جسم پر ہونے والے طبی عمل کو محسوس نہیں کیا لیکن دیکھ رہا تھا۔

ہسپتال کے مختلف حصوں سے توانائی کی لہریں اوپر

جارہی تھیں۔ استفسار پر بتایا گیا کہ یہ لوگوں کی دعائیں ہیں۔ پھر لہروں کے ذریعے پیغام ملا کہ تمہیں واپس جانا ہے۔ یہ دوسری بار ہوا تھا۔ مجھے اچھا نہیں لگا مگر کوئی چارہ نہیں تھا۔ کسی نے پیچھے سے دھکا دیا اور میں ہوا میں تیرتا ہوا اپنے جسم میں حلول کر گیا۔ جسم میں داخل ہوتے ہی پہلا خیال آیا کہ یہ جسم میرے لئے نیا نہیں، میں ماضی میں بھی اس وزن کو اٹھائے پھرتا رہا ہوں اور آئندہ بھی نامعلوم وقت تک اس بوجھ کو گھسیٹنا ہے۔

ملبے میں دبنے اور قلب کی حرکت بند ہونے ـــ دونوں واقعات میں لہروں کے ذریعے ہستیوں نے مجھے مختلف پیغامات دیے۔ انہوں نے بتایا کہ دنیا میں رہ کر نجات کا راستہ یہ ہے،

★ مخلوق سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

★ مخلوق سے محبت کرو۔ ★ کسی کو دکھ نہ دو۔

★ حقوق العباد ادا کرتے رہو۔

★ حقوق اللہ کو کبھی نہ چھوڑو۔

★ ہر کام اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کرنے کی نیت سے خوش اسلوبی اور لگن سے انجام دو۔

★ جب پہلی بار کسی بھی عمل کے کرنے سے ضمیر میں چبھن یا خلش محسوس ہو تو فوراً چھوڑ دو اور زندگی بھر اسے نہ کرو۔

★ رزق حلال کماؤ اور کھاؤ اور ایمان داری پر سختی سے عمل پیرا رہو۔

★ آدمی کو زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر اختیار نہیں۔ مثلاً رنگ، نسل، بولی، زبان، احساسات و جذبات، جبلت اور اس کا پہلا مذہب وعقیدہ۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی، مشیت، حکمت سے ہر فرد جہاں پیدا ہوتا ہے، اسے یہ سب ورثہ میں ملتا ہے۔

★ غیبی آواز نے کہا کہ جب کبھی قول، فعل، عمل یا سوچ کے غلط ہونے میں معمولی سا بھی شائبہ ہو تو کسی ''صاحبِ علم'' سے رجوع کرو۔

### موت حفاظت کرتی ہے

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں کہ ''انسان بے وقوف ہے، موت سے ڈرتا ہے جب کہ موت انسان کی سب سے بڑی محافظ ہے۔''

ملک الموت کی جہاں یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ روح قبض کرے، ملک الموت کی یہ بھی ڈیوٹی ہے کہ وقت معینہ سے پہلے کسی آدمی کی روح قبض نہ کرے۔ انسان کی سب سے بڑی محافظ موت ہے جب کہ آدمی موت سے ڈرتا ہے۔ موت سے آپ ڈریں یا نہ ڈریں اگر عمر باقی ہے تو ملک الموت پابند ہے کہ آپ کو دنیا سے نہ لے جائے اور اگر وقت پورا ہو گیا ہے تو آپ ایک سیکنڈ بھی دنیا میں نہیں رہ سکتے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس حقیقت سے دنیا کا کوئی ایک فرد انکار نہیں کر سکتا۔ (کتاب: آگہی)

نیرّ اعظم

# آزادی کے متوالے

کچھ جانوروں کو سدھایا نہیں جاسکتا اس لئے انہیں سمجھ دار نہیں سمجھا جاتا لیکن جب ان کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو دل چسپ تفصیلات سامنے آتی ہیں۔

کیا آپ نے سرکس دیکھا ہے ــــ؟ گھوڑے، ہاتھی، شیر، کتے، بندر، بکری، بھالو وغیرہ سرکس کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ہم نے بھی ایک سرکس دیکھا۔ پہلے گھوڑا آیا، کرسی پر کھڑا ہوا، کبھی پچھلی ٹانگیں ہوا میں لہرائیں اور کبھی اگلی دو ٹانگوں سے رقص کیا۔گھوڑے کے بعد ہاتھی آئے۔ ہاتھیوں نے پہلے تو فٹ بال کھیلی اور تماشائیوں سے داد وصول کی۔شور سن کر ان میں تحریک پیدا ہوئی اور کھیل تیز ہوگیا۔ وقت ختم ہونے پر ایک ہاتھی اسٹول کے اوپر چار پاؤں کھڑا ہوا۔ چھوٹا لیکن مضبوط اسٹول اور ڈھائی تین من کا ہاتھی ــــ ہاتھی نے توازن برقرار رکھا اور حاضرین نے خوب داد دی۔ تالیوں کی گونج میں ہاتھی واپس ہوئے اور تماشائی اگلے کرتب کے منتظر تھے کہ اب کون آتا ہے۔

لال ٹوپی پہنے اور ہاتھ میں چھڑی لئے ایک آدمی میدان میں داخل ہوا اور تماشائیوں کے شور سے میں سمجھا کہ اب کرتب دکھانے کی باری آدمی کی ہے۔ آدمیوں کے کرتب تو ہم رات دن دیکھتے ہیں، سرکس میں نہ جانے کیا نئی بات ہوگی۔

سوچوں میں مگن تھا کہ تالیوں کی گونج میں جنگل کا بادشاہ داخل ہوا۔اچھا! تو آدمی شاہ جنگلات کو سدھا کرلایا ہے۔ بادشاہ سلامت نے آگ کے گولے میں سے چھلانگ لگائی، ایک ڈنڈے پر چلتے ہوئے توازن برقرار رکھا اور لوٹ پوٹ کر واپس ہوگئے۔

کرتب میں وہ جانور شامل تھے جن کو سدھایا جاسکتا تھا۔ گھر آکر میں نے ان جانوروں کو تلاش کیا جن کو سدھایا نہیں جاسکتا۔

پہلا نام شارک کا سامنے آیا۔ڈولفن کو کرتب دکھاتے دیکھا ہے لیکن کیا شارک مچھلی کرتب دکھاتی ہے ــــ؟ پتہ چلا کہ شارک کو سدھایا نہیں جاسکتا۔اس حوالہ سے بعض لوگوں کی رائے پڑھنے کو ملی کہ جو جانور احمق ہوتے ہیں ان پر محنت کرنا بے کار اور سدھانا ناممکن ہے۔

شارک کا شمار خون خوار مچھلیوں میں ہوتا ہے۔جس مچھلی سے دنیا ڈرتی ہے کیا وہ احمق ہوسکتی ہے؟ جن

جانوروں کو لوگوں نے احمق کہا، میرے نزدیک وہ آزادی کے متوالے تھے۔

موجودہ دور میں لوگ جس آبی مخلوق سے سب سے زیادہ خوف زدہ ہیں وہ سفید شارک ہے۔اس پر فلمیں بنائی گئی ہیں۔شارک کے بچے ماں کے رحم سے باہر آنے سے پہلے ہی شکاری بن جاتے ہیں۔ماں کے پیٹ میں جو انڈے پہلے ٹوٹتے ہیں، ان میں سے نکلنے والے بچے اس عرصہ میں بند انڈوں کو کھا جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی اس دنیا میں پیدائش ہوتی ہے۔

عظیم الجثہ سفید شارک اچانک حملہ کرنے کی ماہر سمجھی جاتی ہے۔بے خبری میں حملہ کرتی ہے۔حملہ کے وقت رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ اگر شکار سمندر کی سطح کے قریب ہو تو یہ شکار سمیت پانی سے باہر آ کر ہوا میں اچھل جاتی ہے اور پہلے حملہ میں بڑا لقمہ لے کر مقابل کو بے بس کر دیتی ہے۔سوچیں! یہ کتنی تیز رفتاری سے تیرتی ہوگی کہ ٹنوں وزنی ہونے کے باوجود پوری کی پوری پانی سے باہر فضا میں آ جاتی ہے۔اس عمل میں رفتار اور فورس کا قانون شامل ہے۔اپنی فضا سے باہر نکلنے کے لئے اضافی توانائی درکار ہوتی ہے۔اس مچھلی کو احمق سمجھنا درست نہیں۔

سفید شارک کو قید کرنے کے لئے چڑیا گھر یا پانی کے بڑے تالابوں میں نہیں رکھ سکتے، مر جائے گی۔ ایک وجہ یہ ہے کہ گہرے پانی کی مچھلی ہے۔دوسری وجہ ہے کہ یہ احمق نہیں — آزادی کی متوالی ہے، قید میں جینے پر مرنے کو ترجیح دیتی ہے۔

وہیل کی بات نہ کی جائے تو آبی مخلوقات کا ذکر ادھورا ہے۔وہیل کرتب دکھا کر لوگوں کو خوش کرتی ہے لیکن بعض دفعہ اپنے ٹرینر کی جان لے لیتی ہے۔کیوں کہ قید میں وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے۔

کِلر وہیل ( Killer Whale ) کی ایک ویڈیو دیکھی۔اس کی حرکات سے لگتا تھا کہ ڈپریشن میں ہے۔ وہیل مچھلیاں گروہ میں زندگی گزارتی ہیں اور بچے زیادہ عرصہ ماں کے ساتھ رہتے ہیں۔وہیل کو ایکویریم میں رکھا گیا تو اسے سخت ناگوار گزرا۔

حیران کن بات یہ ہے کہ ایک وہیل نے اپنے ٹرینر کی جان لی تو اسے ڈبو کر مار دیا— پانی میں اتنی دیر اندر رکھا کہ جسم اور سانس کا رشتہ ٹوٹ گیا۔وہیل نے اسے کھانے کی کوشش نہیں کی، ڈبو دیا۔ وہیل کو کیسے معلوم ہے کہ آدمی سانس لینے کے دورانیہ سے زیادہ پانی میں رہے تو ڈوب جاتا ہے—؟

عموماً چھوٹی مچھلیاں پالتو جانوروں میں شمار ہوتی ہیں۔میں کہتا ہوں یہ کس نے کہا—؟ پالتو رہنا ان کی مجبوری ہے۔کھلے پانی میں چھوڑ دیں، کیا وہ واپس آئے گی—؟ جانور پالتو نہ ہو تو وہ سر پھرا بھی نہیں ہے، اسے آزادی عزیز ہے۔

جنگلی حیات پر ایک دستاویزی فلم دیکھی جس میں

شکاری کئی دن شکار کے جھنڈ کو نظر میں رکھتے ہیں اور پھر کم زور جانور پر حملہ کر دیتے ہیں۔ شکار کی تاک کے بعد تین اطراف سے حملہ ہوتا ہے۔ باقاعدہ منصوبہ کے ساتھ حملہ کرنے والے یہ شکاری کوئی اور نہیں، بھیڑیے ہیں۔ بھیڑیے حملہ کرنے میں جلدی نہیں کرتے بلکہ خاموشی سے شکار کی نقل و حرکت کو کچھ دن نگرانی میں رکھتے ہیں، حملہ کو کام یاب بنانے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ کس طرح اور کس جگہ سے حملہ کیا جائے تاکہ فرار کے راستے مسدود ہو جائیں۔ بھیڑیوں کے ایک گروہ کی روداد بیان کرتے ہوئے ایک محقق نے بتایا کہ سردیوں میں ان کے شکار کا طریقہ کار الگ اور گرمیوں میں الگ تھا۔ خاموشی سے گھیر کر حملہ کرنے کے ماہر بھیڑیوں کو سدھایا نہیں جا سکتا۔ جن جانوروں کو سدھایا نہیں جا سکتا، کیا آپ ان کو احمق شمار کریں گے ــــ؟

بھیڑیوں پر تحقیق کرنے والے محقق نے تصویر شائع کی جس میں قطار میں بھیڑیے چل رہے ہیں، کم زور اور بوڑھے آگے، ان کے پیچھے سب سے طاقت ور، پھر بچے اور باقی بھیڑیے، آخر میں لیڈر۔ اندازہ لگایا کہ بوڑھوں کو آگے رکھا گیا ہے کہ کم زور اور ناتواں ہونے کی وجہ سے وہ پیچھے نہ رہ جائیں۔ ان کا لیڈر سب سے آخر میں ہے تاکہ وہ قافلہ پر نظر رکھے اور ہدایات دے۔

آدمیوں کی دنیا میں ایک اصطلاح طوطا چشم ہے۔ طوطا چشم کا محاورہ بے وفائی اور مطلب پورا ہو جانے پر آنکھیں بدل لینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ طوطا کتنا ہی پالتو ہو، موقع ملنے پر مالک کا گھر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ محاورہ آدمیوں نے بنایا ہے۔ اگر طوطوں کی دنیا میں محاورے ہوں تو اللہ جانے وہ آدمیوں کو کن الفاظ میں یاد کریں۔

عجب دستور ہے کہ طوطے کو قید میں رکھنے والے کو طوطے کا مالک کہتے ہیں جب کہ وہ غاصب ہے۔ اس نے طوطے کی آزادی سلب کی اور اپنا غلام بنالیا۔

جبری غلام کا حق آزادی ہے ــــ اور مالک اس کو کہتے ہیں جس کے پاس ملکیت کا اختیار ہو۔ ملکیت کی وضاحت میں بات دور تلک جائے گی اور اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں۔

جہاں تک طوطا چشمی کی بات ہے تو طوطا بے وفا نہیں ــــ آزادی کے انتظار میں رہتا ہے۔ کتنے لوگ فال نکلوانے طوطے کے پاس جاتے ہیں، آپ کسے سمجھ دار کہیں گے، طوطے کو یا فال نکلوانے والوں کو ــــ؟

دنیا کہتی ہے کہ آدمی حیوان ناطق ہے میں پوچھتا ہوں کیا بلبل گونگی ہے ــــ؟ بلبل گاتی ہے، جذبات کا اظہار کرتی ہے اور سننے والا مدھر آواز میں کھو جاتا ہے۔ چڑیا، کوّے، بلی سب کی آواز اور زبان ہے۔ آدمی نے ناسمجھی میں ان کو غیر ناطق کہہ دیا۔

بھلا بتایئے دنیا کا کون سا قانون کہتا ہے کہ اپنی کم

علمی کو دوسرے کی لاعلمی سمجھ لو—؟

کیا آپ نے بلیوں کو صرف ایک آواز نکالتے سنا ہے؟ غصہ، پیار، بھوک اور پیاس میں ان کی آواز بدل نہیں جاتی؟ اس میں محبت اور غصہ کی جھلک نہیں ہوتی؟ آواز میں اتار چڑھاؤ— دراصل اظہار خیال ہے اور کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ کبھی بلیوں کی دنیا میں بیٹھ کر دیکھئے کہ معلوم ہو وہ کن مسائل پر گفتگو کرتی ہیں۔ حیوانات کی بولی سے واقف سنتے ہیں کہ بلی میاؤں میاؤں نہیں کرتی— من آنم کہ من دانم کہتی ہے۔

پالتو ہونے اور سدھانے میں فرق ہے۔ ہر پالتو جانور سدھایا نہیں جاسکتا اور ہر سدھایا جانے والا جانور پالتو نہیں ہوتا۔ جیسے کہ مرغیاں پالتو جانور ہیں لیکن آپ ان کو سدھا نہیں سکتے۔

جغرافیہ اور تاریخ کے ماہر جارڈ ڈائی منڈ نے اپنی کتاب ''گنز، جرمز اور اسٹیل'' میں پالتو جانوروں کو پرکھنے کے چند اصول بیان کئے ہیں۔

۱۔ وہ جانور جو اپنے لئے خوراک کا انتظام کرسکیں۔

جیسے گائے بکری اور دنبہ کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ گھاس چر کر پیٹ بھر لیتے ہیں۔

۲۔ وہ جانور جو بلوغت کو جلد پہنچتے ہیں۔

ہاتھی کو سدھایا جاتا ہے لیکن عموماً اسے گھر پر نہیں رکھا جاتا کیوں کہ پندرہ سال میں بلوغت میں قدم رکھتا ہے۔ اس لئے سالوں تک ایسے جانور کو گھر پر رکھنا خود پر اضافی بوجھ ڈالنا ہے۔

۳۔ وہ جانور جو اسیری میں آسانی سے افزائش نسل پر آمادہ ہوں۔

عموماً جانوروں کو گروپ میں رکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض کی افزائش متاثر ہوتی ہے۔ بارہ سنگھا کو اس بنا پر ہجوم میں نہیں رکھا جاتا۔ اسی طرح مصری چیتے جب تک کھلے میدانوں میں ساتھی کے ساتھ وقت نہ گزاریں، افزائش پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اسی لئے یہ پالتو جانوروں کی فہرست میں نہیں آتے۔

۴۔ وہ جانور جو فطرتاً اطاعت گزار ہوں۔

گائے بکری بآسانی پل جاتے ہیں لیکن افریقی بھینسا اور امریکی بائسن دونوں ناقابل اعتبار اور آدمی کے لئے انتہائی خطرناک ہیں۔

گھوڑوں نے آج تک نوع آدم کا ساتھ نبھایا ہے۔ دشوار راستوں پر گھوڑوں کے ذریعے سفر طے کرنے کے ساتھ مال برداری کا کام لیا جاتا ہے۔ لیکن گھوڑے کا ایک قریبی رشتہ دار زیبرا سدھایا نہیں جاسکا۔ زیبرا گھوڑوں سے قریب مگر مزاج جارحانہ ہے۔ کہتے ہیں کہ زیبرا جلد گھبرا جاتا ہے اور گھبراہٹ میں جدھر سینگ سمائیں اس جانب رخ کرتا ہے۔ زیبرے کی چھلانگ کافی اونچی ہوتی ہے جس کی وجہ سے باڑ کی صورت میں رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ خطرہ کی بو سونگھتے ہی بھاگنا اس کی جبلت ہے ان وجوہات کے سبب سدھانے میں ناکامی کا سامنا ہے۔

۵۔وہ جانور جو بھیڑ میں رہتے ہیں۔

بھیڑ میں رہنے والے جانوروں کو با آسانی کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ بلی کے سوا تمام بڑے پالتو جانور کسی کی قیادت میں رہ کر زندگی گزارنے کے عادی ہیں اسی لئے آدمی کی سربراہی میں رہ لیتے ہیں۔

۶۔وہ جانور جن میں خوف کم ہو۔

گھبراہٹ کے شکار جانور اسیری میں ڈپریشن میں مبتلا ہوجاتے ہیں اس لئے ان کی نشوونما دیر سے ہوتی ہے اور بمشکل افزائش کے مرحلہ سے گزرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اژدھے کو بھی سدھایا جائے تو وہ آدمی کی مرضی پر چلتا ہے۔اژدھا کرتب دکھانے والے جانوروں میں سے نہیں البتہ پالنے پر حملہ کرنا چھوڑ دیتا ہے ورنہ جنگل میں یہ بڑا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

ناگوں میں کوبرا سے خطرناک کوئی نہیں۔ یہاں تک کہ سانپوں کی دنیا میں سب سے خطرناک مانا جاتا ہے۔ جب آپ اس کو سپیروں کی بین پر ناچتا ہوا دیکھیں تو کیا شعور سوال نہیں کرتا کہ کوبرا جیسا خطرناک سانپ آدمی کی بین پر کیوں ناچ رہا ہے—؟

ناگ یا سانپ ان جانوروں میں سے ہیں جن کو سدھایا نہیں جاسکتا۔عموماً سپیرے بین پر نچانے کے لئے سانپوں کا زہر نکال لیتے ہیں اور ان کے ڈسنے کا ڈر ختم ہوجاتا ہے۔غور سے پڑھئے کہ سانپ بین پر ناچتا ہے — سپیرے کی آواز پر نہیں ۔ وہ بین کا شیدائی ہے۔ نہ جانے یہ آواز اسے کس دنیا میں لے جاتی ہے کہ وہ بے خود ہوکر بین کے ساز پر رقص کرتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ناگ دودھ پلانے والے کو نہیں ڈستا لیکن جب ڈسنا فطرت میں ہو تو ناگ سے کچھ بعید نہیں۔ سدھانے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ آپ کا وفادار ہے۔آپ نے اسے پٹاری میں بند کرکے رکھا ہے،کھول کر رکھئے — رنگ ضرور دکھائے گا۔

جنگل میں پلے بڑھے کسی بھی جانور کو سدھانا بہت مشکل ہے۔خاص طور پر ایسی نسل کے جنگلی جانور جو گروہ یا قبیلوں میں رہنے کے عادی ہوں ان کو سدھانا تقریباً ناممکن ہے۔ایسے جانوروں کو قید میں رکھا جائے تو یہ برداشت نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے چڑیا گھروں میں بڑے بڑے حصے ایسے جانوروں کے لئے مختص کئے جاتے ہیں۔لاہور کے چڑیا گھر کی مثال سامنے ہے جہاں شیر چھوٹے پنجروں کے بجائے ایسی جگہ پر رکھے گئے ہیں جس کا رقبہ بڑا ہے تاکہ قید میں رہنے کا احساس کم سے کم ہو۔

چوہا، شیر، ہاتھی اور وہیل وغیرہ کا شمار سدھائے جانے والے جانوروں میں ہوتا ہے۔جن جانوروں کو سدھایا نہیں جاسکتا وہ احمق نہیں،عقل مند ہیں کیوں کہ غلامی پسند نہیں کرتے۔اور جن کو سدھالیا جاتا ہے ان جانوروں میں بھی آزادی کی خواہش ہوتی ہے۔طوطے کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

آدمی کا حیوانات کو اپنی نظر سے دیکھنا — عقائد کی

جنگ ہے۔حقیقت کے ادراک میں بعض اوقات فرد کو سخت ذہنی کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے۔بچپن سے جو باتیں سنیں اور کتابوں میں پڑھیں اس نے آدمی کو آدمی کی نظر سے دنیا کو دیکھنا سکھایا۔تحقیق کی تو پتہ چلا کہ سطحی باتوں نے ذہن میں جگہ بنالی ہے۔

1950ء کی دہائی میں ایک روسی محقق دمتری کے بیلیاف نے جنگلی لومڑیوں (سلور بلیک فوکس ) کی فارمنگ شروع کی۔جنگلی لومڑیاں تنہائی پسند، آزاد اور شرمیلی ہوتی ہیں۔لومڑیوں کی کچھ نسلوں کے بعد اس کے فارم پر پیدا ہونے والی لومڑیوں کے نہ صرف رنگ نئے تھے بلکہ ان کا مزاج دوستانہ تھا اور تربیت کی جاسکتی تھی۔اس تجربہ پر ایک ماہر نے رائے دی کہ تمام جانوروں کو سدھایا جاسکتا ہے، ہم نے اس سلسلہ میں کبھی کوشش نہیں کی۔

بیلیاف کے تجربہ کا نتیجہ کئی نسلوں بعد سامنے آیا کیوں کہ اس نے یکسر جنگلی لومڑیوں کا ماحول بدل دیا اور انہیں اپنے فطری ماحول سے دور رکھا۔یہاں تک کہ چند نسلوں کے بعد پیدا ہونے والی لومڑیوں کے جلد کے رنگ بدل گئے۔

مخلوق کی فطرت میں قید نہیں آزادی ہے۔جنگلی لومڑیاں بیلیاف کے فارم میں قید ہوکر جنگل سے دور ہوگئیں۔سوال یہ ہے کہ اگر ان لومڑیوں کو واپس ان کے ماحول یعنی جنگل میں چھوڑ دیا جاتا تو کیا وہ بیلیاف کے فارم میں واپس آنا پسند کرتیں ــــ؟

موجودہ عہد میں خشکی کے جانوروں میں قد وقامت کے لحاظ سے سب سے بڑا جانور ہے۔اس کے بعد اونٹ اور پھر ہاتھی اور شتر مرغ ہے۔ زرافہ کا قد 19 میٹر تک طویل ہوتا ہے۔گردن میں سات مہرے ہوتے ہیں۔مادہ قد میں نر سے دو فٹ چھوٹی ہوتی ہے البتہ نر اور مادہ دونوں کے ماتھے پر سینگ ہوتے ہیں۔ زرافہ کے حمل کی مدت ایک سال ہے۔اس کی اگلی ٹانگیں لمبی اور پچھلی چھوٹی ہوتی ہیں۔ شیر اور بعض دوسرے جانوروں کی طرح یہ مصلحت اندیش ہیں اور گھر گرہستی جانتے ہیں یعنی نر مادہ کا پورا خیال رکھتا ہے۔اپنی مادہ کے قریب دوسرے نر کو برداشت نہیں کرتا۔لڑائی میں جیت کی صورت میں فی میل زرافہ جیتنے والے نر کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ان کے دوڑنے کی رفتار 30 میل فی گھنٹہ ہے ۔ زرافہ کو بزدل سمجھا جاتا ہے لیکن لڑنا پڑے تو خوب لڑتا ہے۔ان کا شمار ان جانوروں میں ہے جن کی نسل کم ہورہی ہے۔

(اظہر محمود۔کراچی)

# یقین کا پیٹرن

وزیر ہر معاملہ پر ایک ہی جملہ دہراتا تھا کہ ''اس میں بھلائی ہے۔'' بعض لوگ زچ ہو جاتے لیکن بادشاہ نے کبھی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

ایک دن بادشاہ کی انگلی کٹ گئی۔

حسب معمول وزیر نے کہا، اس میں بھلائی ہے۔

بادشاہ کو غصہ آیا کہ بھلا انگلی کٹنے میں کون سی بھلائی ہے؟ اور وزیر کو قید میں ڈالنے کا حکم دیا۔

قید خانہ میں بھی وزیر کی عادت نہیں بدلی۔ وہ ہر گوارا اور ناگوار بات پر کہتا، اس میں بھلائی ہے۔

دل بہلانے کی خاطر ہفتہ میں ایک بار سیر کے لئے جانا بادشاہ کی عادت تھی۔ بادشاہ حسب معمول سیر کو نکلا، جنگل سے گزر ہوا۔ جس مقام پر جنگل ختم ہوا، وہاں سے دریا گزرتا تھا۔ جنگلی جانوروں کا خطرہ نہیں تھا، بادشاہ نے کچھ دیر آرام کی غرض سے ٹھہرنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ کو نیند آتے ہی سپاہی کچھ دیر کے لئے آس پاس کا حال معلوم کرنے نکلے۔ وقت کا پتہ نہیں چلا اور واپسی میں دیر ہوگئی۔ بادشاہ کی آنکھ کھلی تو اردگرد اجنبی لوگ موجود تھے۔ وضع قطع سے اندازہ ہوا کہ جنگل میں رہنے والے قبائل ہیں۔

انہوں نے بادشاہ کو پکڑ لیا اور جنگل میں ایک مقام پر موجود بستی میں لے گئے۔ ڈھول تاشوں کی گونج میں سب رقص کر رہے تھے۔ یقیناً انہیں کوئی خوشی ملی تھی یا پھر مشکل آسان ہوگئی تھی ــــ بادشاہ سمجھ نہ سکا۔

تھوڑی دیر بعد اندازہ ہوا کہ تہوار منایا جا رہا ہے جس میں کسی فرد کو قربانی کے لئے پیش کیا جاتا ہے تاکہ قدرت ان پر مہربان ہو اور اگلا سال خوش حالی اور امن میں گزرے۔ بادشاہ کے اوسان خطا ہوئے۔ اس سے قبل وہ مطمئن تھا کہ سپاہی ڈھونڈتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں گے لیکن کافی دیر گزرنے کے بعد بھی دور دور تک آثار نہیں تھے۔

ادھر سپاہی بادشاہ کو نہ پا کر حواس باختہ ہوئے اور دیوانہ وار ہر جگہ تلاش کیا لیکن بادشاہ نہیں ملا۔

ان لوگوں نے جب بادشاہ کے ہاتھ باندھنے شروع کئے تو نظر انگلی پر پڑی جو کٹی ہوئی تھی۔ چہروں پر ناگواری پھیل گئی کیوں کہ وہ ناقص قربانی نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں ایسے فرد کی تلاش تھی جو ہر لحاظ سے صحت مند ہو۔ قسمت نے بادشاہ کا ساتھ دیا اور انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس لمحہ وزیر کی آواز کان میں گونجی کہ ''اس میں بھلائی ہے''۔

واپس لوٹنے کے بعد وہ سپاہیوں پر سخت برہم ہوا لیکن حیران کن طور پر سزا نہیں دی۔ اس نے قید خانہ کا

رخ کیا۔ محل میں لوگوں کو تعجب تھا کہ بادشاہ کو کیا ہو گیا ہے۔ پہرے داروں کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور اندر جا کر خود وزیر کو آزادی کا پروانہ سنایا۔

وزیر کو بیتا قصہ سنا کر پوچھا، ان لوگوں سے نجات ملنے میں کٹی ہوئی انگلی بھلائی ثابت ہوئی۔ یہ بتاؤ کہ قید و بند کی صعوبتیں جھیل کر تمہیں کون سی بھلائی ملی؟

وزیر نے جواب دیا، مجھے یہ بھلائی ملی کہ میں آپ کے ساتھ نہیں گیا ورنہ آپ کی جگہ میری قربانی ہو جاتی۔ مجھے یقین ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے، اس کے ہر حکم میں مخلوق کے لئے بھلائی ہے۔ اس لئے میں نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

قصہ کا پس منظر یہ ہے کہ کائنات میں اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں۔ عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''کائنات میں اتفاق اور حادثہ کو ہرگز دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے جو مربوط ہے۔ ہر نظام کی دوسرے نظام کے ساتھ وابستگی ہے۔ اس نظام میں نہ کہیں اتفاق ہے، نہ کہیں حادثہ ہے، نہ کوئی قدرتی مجبوری ہے۔ اللہ کا ایک نظام ہے اور نظام کو چلانے والے کارندے اللہ کے حکم اور اللہ کی مشیت کے مطابق اسے چلا رہے ہیں۔ آدمی کیا ہے؟ کٹھ پتلی ہے — جس طرح کائنات کا نظام چلانے والے کارکن ڈوریوں کو حرکت دیتے ہیں آدمی چلتا رہتا ہے۔ ڈوریاں ہلنا بند ہو جاتی ہیں — آدمی مر جاتا ہے۔ یہ باتیں اس لئے عرض کی گئی ہیں کہ میں بتانا چاہتا ہوں کہ استغنا اس وقت تک کسی شخص کے اندر پیدا نہیں ہو سکتا جب تک اس کے یقین میں یہ بات راسخ نہ ہو جائے کہ ہر چیز من جانب اللہ ہے۔ جب کسی بندہ کے اندر یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی حرکت اور بڑی سے بڑی شے اللہ کے بنائے ہوئے ایک مربوط نظام کے تحت قائم ہے تو اس کے اندر ایسا پیٹرن بن جاتا ہے جس کا اصطلاحی نام استغنا ہے۔ اس پیٹرن کو جب تحریکات ملتی ہیں اور زندگی میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں۔ ان واقعات کی کڑیاں اس قدر مضبوط، مستحکم اور مربوط ہوتی ہیں کہ آدمی کی عقل یہ سوچنے اور ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔''

ہماری مثال بادشاہ جیسی ہے جو ناسمجھی میں دوسروں پر غصہ اور ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ اگر اللہ کی حکمتوں کا علم ہو جائے تو اللہ کے حضور ہزاروں سجدے کریں۔ آسائش و آزمائش دونوں میں ہماری بھلائی ہے۔

مومن کو خوشی نصیب ہوتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ شکر — خیر ہی خیر ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر سے کام لیتا ہے یہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

(البقرۃ:۱۵۳)

عائشہ خان

# مرشد کی باتیں

دو روز بعد مراقبہ میں لہروں کی ساخت معمول سے ہٹ کر نظر آئی۔ عموماً توجہ شیخ کی طرف کرنے پر ذہن مرکوز ہو جاتا تھا لیکن لہروں کی عجیب و غریب ساخت کے سبب دشواری ہوئی۔ اس سے قبل لہریں دائروں میں گھومتی ہوئی نظر آتی تھیں مگر چند روز سے ماہیت مختلف تھی اور پھیلاؤ نمایاں تھا۔

خیال میں بے خیال تھا کہ نظر دروازہ پر پڑی اور اس نے دروازہ کو کاغذ دیکھا۔ چند روز قبل نشست کے سامنے والی دیوار کو دیکھ کر یہی تجربہ ہوا تھا لیکن کیفیت ڈائری میں لکھ کر توجہ نہیں دی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ آج دروازہ کو کاغذ کی شکل میں دیکھنے سے نظر ٹھہر گئی۔ دروازہ کاغذ کی مانند ہل رہا تھا جیسے کاغذ کا ایک کونہ پکڑ کر ہوا کے رخ پر رکھیں تو وہ پتّے کی طرح ہلتا ہے اور سرسراہٹ پیدا ہوتی ہے۔

اندر میں سوال ابھرا کہ دروازہ کیا ہے — ؟

نظر بدستور مرکوز تھی۔ منظر نمایاں ہوا اور اس نے دیکھا کہ دروازہ سخت کشمکش میں ہے۔ دونوں جانب کشش ہے، وہ کسی کی طرف بڑھنا چاہتا ہے لیکن درمیان میں خلا گریز بن گیا ہے۔ گریز ختم ہو سکتا ہے مگر اسے فوری ختم نہیں کیا جاتا ورنہ دروازہ کی شناخت ختم ہو جائے گی۔ کوشش یہ ہے کہ دروازہ کو گریز سے گزار کر اس میں استحکام پیدا کیا جائے تاکہ اس کی مقدار — کشش کی مقدار کی متحمل ہو سکے۔

تجربہ سے آگہی کے در کھلے۔

۱۔ ادراک ہوا کہ خلا توانائی سے بھرپور ایک دنیا ہے جس میں ہر وقت لہریں گردش میں ہیں اور لہریں ربط کے ساتھ گریز بھی ہیں۔

۲۔ دروازہ کاغذ کی صورت میں نظر آیا تو اندر میں آواز نے کہا کہ دروازہ وہ نہیں جو ہم دیکھتے ہیں۔ نہ ہم مٹی سے واقف ہیں نہ لکڑی سے۔ مٹی سے دیوار اور لکڑی سے دروازہ بنتا ہے اور یہ دونوں اشیا مقداروں کے ردّوبدل سے ہر شے میں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہم کسی چیز سے واقف نہیں، ماحول سے ملنے والے شعور کے مطابق دیکھ رہے ہیں۔

ذہن کے دیکھنے کو دیکھنے کی عادت کے سبب بعض اوقات اسے خلاف معمول سرگرمی پر شبہ ہوتا ہے کہ آیا شے کو دیکھا ہے یا ذہن کے دیکھنے کو دیکھا۔

خیال نے کہا، شبہ میں وہ شخص مبتلا ہے جو انا میں قید ہے — محبوب کے تصور میں رہنے والے کو محبوب کی نظر عطا ہوتی ہے۔ شبہ پر غور کیا تو ذہن میں شائبہ آیا۔ معنی مماثلت یا ایک جیسی دو اشیا دیکھنا ہے اور ایک کو دو دیکھنا تغیر ہے۔ محبوب حقیقی دنیا کا مکین ہے، اس میں خود کو گم کرنے سے حقیقت نگاہ بنتی ہے۔

مرشد کریم سے پوچھا کہ میں نے کیا دیکھا — ؟

فرمایا، آپ نے گریویٹی (مظاہرہ) دیکھی۔

ان کی بات پر غور کرنے سے جھماکا ہوا اور منظر ایک بار پھر نظروں میں گھوم گیا — دروازہ کی طرح وہ بھی گریویٹی سے نکلنا چاہتا ہے اور سخت کشمکش میں ہے۔ کشمکش کا مظاہرہ دروازہ کی شکل میں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ جب تک وہ کسی عمل سے سیکھتا نہیں، ہدایت کا راستہ کھلا ہے۔ قدرت مختلف حالات پیدا کر کے بار بار اس عمل سے گزارتی ہے۔ نوعیت رویہ میں خامی دور کرنا ہو تو دہرانے کا عمل شعور کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔ خول سے نکلنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ سب شعور کو الوژن سے نکالنے کے لئے تھا۔ جو بات دیوار کے مشاہدہ سے نہیں سیکھی، وہ تغیر کے عمل سے ظاہر ہوگئی۔

دو روز بعد مراقبہ میں لہروں کی ساخت معمول سے ہٹ کر نظر آئی۔ عموماً توجہ شیخ کی طرف کرنے پر ذہن مرکوز ہو جاتا تھا لیکن لہروں کی عجیب وغریب ساخت کے سبب دشواری ہوئی۔ اس سے قبل لہریں دائروں میں گھومتی ہوئی نظر آتی تھیں مگر چند روز سے ماہیت مختلف تھی اور پھیلاؤ نمایاں تھا۔

خیال — بے خیال ہوا تو خیال نے کہا، جن لہروں کو تم فضا میں اور اپنے مقابل سمجھ رہے ہو یہ تمہارے دماغ کی اسکرین ہے اور منعکس ہو کر تمہارے لئے آئینہ بنی ہے۔ لہروں کو پھیلا ہوا دیکھنا کثرت کی نشان دہی ہے۔ جب ذہن ایک در پر مستحکم ہوتا ہے تو لہریں سمٹ کر ایک ہو جاتی ہیں۔

بات سنتے ہی آپریشن تھیٹر کا خیال آیا جہاں مریض کی دھڑکن کو مانیٹر پر دیکھا جاتا ہے۔ اسکرین پر زگ زیگ (طول موج) کی شکل میں لکیر دھڑکن میں اتار چڑھاؤ کو ظاہر کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے۔ زگ زیگ میں فاصلہ جتنا کم ہوتا جاتا ہے، اسی مناسبت سے حرکت کا تعلق مادی جسم سے منقطع ہوتا ہے اور ایک وقت کے بعد مانیٹر پر لکیر flat ہو جاتی ہے۔ لکیر کا سیدھ میں ہونا، فرد کا دوسری دنیا میں داخل ہونا ہے۔

لہر کی مختلف شکلیں دراصل خیالات میں ارتعاش ہے جسے تغیر کہتے ہیں۔ یہ مادی شعور کو ظاہر کرتا ہے جب کہ لکیر کا فلیٹ ہونا سالک کو نشیب وفراز سے آزاد کر کے لاشعور سے متعارف کراتا ہے۔

بندہ ردعمل ظاہر کرنے کے بجائے صبر، درگزر یا نظر انداز کرنا سیکھ لے تو اخلاقی اصلاح سے تغیر سے آزادی اور روح کا عرفان ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''رات کا اٹھنا نفس پر بھاری ہے، اور سیدھی نکلتی ہے اس میں بات۔'' (المزمل:۶)

سیدھی نکلنے کے معنی ارتعاش سے دوری اور ٹائم اور اسپیس کی تقسیم معدوم ہوکر فواد میں داخل ہونا ہے۔ اس مقام پر فہم میں تغیر نہیں ہوتا۔

مرشد کریم نے ہدایت کی کہ دن بھر تصور کرو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ رات کو جلدی سوؤ اور صبح جلدی اٹھو۔ فجر کی نماز کے بعد مراقبہ اور پھر قرآن پڑھنا ہے۔

رمضان کے دن تھے۔ رات ساڑھے دس بجے سونے لیٹا اور صبح ساڑھے تین بجے اٹھ گیا۔ فجر کی نماز کے بعد مراقبہ کیا تو ابتدا میں پیشانی کے درمیان میں دباؤ محسوس ہوا۔ توجہ دباؤ پر مرکوز ہوئی جس سے ارتعاش کم سے کم ہوگیا اور وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلا۔

اس کے بعد قرآن کریم پر تفکر کیا۔ سورۃ البقرۃ کی آیات ٹھہر ٹھہر کر عربی کی مدد سے لفظ بہ لفظ پڑھیں۔ قلب پر جو باتیں کھلیں وہ ڈائری میں لکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور نہ جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپانے کی کوشش کرو۔ صلوٰۃ قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور میرے آگے جھکنے والوں کے ساتھ جھک جاؤ۔ تم دوسروں کو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کو کہتے ہو مگر خود کو بھول جاتے ہو حالاں کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لو۔ بے شک یہ مشکل کام ہے مگر فرماں بردار بندوں کے لئے مشکل نہیں ہے جو جانتے ہیں کہ آخر انہیں اپنے رب سے ملنا اور اس ہی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''

(البقرۃ: ۴۲۔۴۶)

ذہن لفظ باطل پر رک گیا۔ خیال نے کہا کہ باطل وہ رنگ ہے جسے اللہ نے ناپسند فرمایا ہے۔ خیال کے بہاؤ کو محسوس کرتے ہوئے ڈائری اٹھائی اور لاشعور نے جو کہا، شعور نے لکھنا شروع کیا۔

''نظریہ رنگ و نور کی تفہیم کی ایک نشست میں مرشد کریم نے 'صبغۃ اللہ' کی تعریف بیان کی.....

'صبغۃ اللہ — اللہ کا رنگ! اللہ کا رنگ سب رنگوں میں افضل ہے۔ جو رنگ اللہ نے زمین میں بکھیرے ہیں ان میں تغیر ہے لیکن اللہ کے رنگ میں تغیر نہیں۔ اللہ کا رنگ اللہ کی صفات ہیں اور صفات الٰہی لامحدود ہیں۔ قانون ہے کہ جس شے میں انہماک ہو، اس کی شباہت پیدا ہوتی ہے۔ جانوروں کی صفات رکھنے والوں میں جانوروں کے تاثرات غالب ہوتے ہیں۔ اللہ کی ذات وصفات میں انہماک پیدا ہونے سے بندہ کے اوصاف بدلتے ہیں اور چہرہ پر نور کا ظہور ہوتا ہے۔'

سمجھ میں یہ آیا کہ صبغۃ اللہ رحمانی رنگ ہے جب کہ باطل کا لفظ تغیر کے رنگوں کو ظاہر کرتا ہے۔ باطل کے معنی ہیں بے ثبات، جھوٹ، تغیر — جس کو دوام و

قیام نہیں۔ زمین پر رنگ بے ثبات ہیں اس لئے دنیا اور مخلوق دونوں کو دوام نہیں کیوں کہ دنیا کے رنگ جنت میں کی جانے والی نافرمانی کا نتیجہ ہیں۔ نافرمانی غالب ہونے سے نظر بنیاد سے ہٹ گئی، اور بنیاد کو دوام ہے۔

آیت میں لکھا ہے — ولاتلبسو االحق۔

تلبسوا — لبس سے ماخوذ ہے اور معنی مخلوط کرنا، شبہ، دھوکا، کام کا چھپانا یا کپڑا پہننے کے ہیں۔ لباس جسم کو چھپانے کے لئے پہنا جاتا ہے اور فرد اس دھوکے میں لباس کو جسم سمجھتا ہے۔ زمین پر جتنے رنگ ہیں، وہ لباس ہیں — لباس کے اندر نور پنہاں ہے جس کی وجہ سے لباس حرکت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ متغیر رنگوں کا لبادہ اوڑھ کر حق پر شبہ نہ کرو — رنگ اڑ جاتے ہیں لیکن اللہ کا رنگ باقی رہتا ہے۔

صلوٰۃ ایک نظام ہے اور اس کے معنی ہر حالت میں اللہ کو حاضر و ناظر جاننا اور ربط میں رہنا ہے۔ ملکیت کے احساس سے ربط میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ ربط میں تعطل سے محفوظ رہنے کے لئے زکوٰۃ کا حکم ہے۔ زکوٰۃ مال کی بھی ہے اور ہنر کی بھی — دونوں اللہ کے عطا کردہ ہیں اور بندہ کا دل ان میں لگا رہتا ہے۔ مال و ہنر کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے دل میں ان کی محبت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن ہستیوں نے خود کو اللہ کی راہ میں سرنڈر کیا، ان میں شامل ہو جاؤ۔

ان آیات میں ایک لفظ 'بر' ہے جس کا ترجمہ نیکی کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ ''لیس البر'' والی آیت پڑھتے ہوئے مرشد کریم نے فرمایا تھا کہ نیکی کے معنی ''قرب'' ہیں۔

قول و فعل میں تضاد رکھنے والوں کے لئے آیت میں تنبیہ ہے کہ دوسروں کو اللہ کی قربت اختیار کرنے کی تلقین کرنے والے خود کو بھول جاتے ہیں جب کہ وہ کتاب پڑھتے ہیں لیکن نہیں پڑھتے۔ (سمجھتے نہیں۔ پڑھنا دراصل سمجھنا ہے۔)

مشکل میں صبر اور صلوٰۃ سے مدد لینا، ہر مشکل کا حل ہے۔ لوگ صبر اور صلوٰۃ کو مشکل سمجھتے ہیں لیکن جو اللہ سے محبت کرتے ہیں، یہ ان کے لئے مشکل نہیں۔ کیوں کہ بندہ کو معلوم ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

---

لاشعور کی انسپائریشن کے بعد سوچا کہ آج کے دن تفکر کے لئے یہ آیات کافی ہیں۔ ان آیات میں تغیر کا قانون ہے، رنگ کا قانون ہے، لباس کا قانون ہے، حقیقی رنگ سے شناسائی کا قانون ہے، ربط، زکوٰۃ، خود کو سرنڈر کرنے اور صبر کا قانون ہے، مشکلات کا حل ہے اور اللہ سے ملاقات کی راہ بتائی گئی ہے۔

★ خواتین و حضرات قارئین! آنکھیں بند کرلیں اور غور کریں کہ نماز کے ارکان پورے کرنے میں ذہنی طور پر ہماری مصروفیت کیا ہوتی ہے۔ کیا فی الواقع ہم رکوع و سجود کا حق پورا کرتے ہیں۔ کیا ایک خیال میں ہزاروں خیالات کا ہجوم نہیں ہو جاتا — ؟

سورۃ یٰسٓ

قرآن کریم کا دل ـــــ یٰسٓ شریف اور اس کے فضائل و برکات کو دیدہ زیب ٹائٹل اور خوب صورت خط میں شائع کیا گیا ہے۔

مومن کی معراج نماز

مؤلف: خواجہ شمس الدین عظیمی

کتابچہ اردو اور انگریزی میں شائع کیا گیا ہے۔

یٰسٓ شریف اور ''نماز مومن کی معراج'' رمضان کے مقدس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں میں ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم کیجیے۔

اسٹاکسٹ: انصاری بک سینٹر، ایم۔ اے۔ جناح روڈ، اردو بازار، کراچی، پاکستان۔
فون: 32603043-21-92+ موبائل: 3129964-345-92+
ای میل: info@ansaribookcenter.com, ansaribooks@gmail.com

عظیمی
عظیمی یونیورسٹی پریس کراچی
AZEEMI UNIVERSITY PRESS

SEARLE

# کینڈرل

## پھیلائے دنیا بھر میں مٹھاس لو کیلوری کے ساتھ

30 سال سے زائد عرصے سے دنیا بھر میں ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں کینڈرل چینی جیسی مٹھاس شامل کر رہا ہے وہ بھی معمولی سی کیلوری کے ساتھ۔ کینڈرل بلڈ گلوکوز لیول پر بھی کوئی اثر نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ ذیابیطس کے مریض ہیں اور زندگی میں مٹھاس لانا چاہتے ہیں یا آپ اپنے وزن کی خاطر میٹھے سے گریز کرتے ہیں تو اب آپ کی مشکل ہوئی آسان... کینڈرل کے ساتھ

ثمرین سعد

# شرم وحیا

آدمی لباس کی حیا کا اہتمام کرے لیکن عمل میں حیا نہ ہو تو یہ منافقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانے میں ہچکچاہٹ محسوس ہونا یا غلط روایت پر آمادہ ہو جانا حیا کے برخلاف عمل ہے۔ رشتوں میں حیا اور تقدس کی پاسداری، گفتگو میں احتیاط سب اس زمرہ میں آتا ہے کہ ہم اخلاقیات کے اعلیٰ معیار کو اختیار کریں۔

حیا ــــ با اخلاق و با کردار لوگوں کی عادات وصفات میں سے ہے۔ عربی کے لفظ حیاۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''زندگی'' ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ حیا زندگی گزارنے کی طرز ہے جس کی وجہ سے بندہ اللہ کے پسندیدہ کاموں کو اختیار کرتا ہے اور ناپسندیدہ عمل کے ارتکاب پر ضمیر کی سرزنش ہوتی ہے اور وہ بے چینی اور شرمندگی سے مضطرب رہتا ہے۔

عموماً کہا جاتا ہے کہ حیا عورت کا زیور ہے جب کہ تاریخ میں حضرت یوسفؑ کے قصہ میں حیا اور خوب صورتی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ حیا کا تعلق صرف عورت سے نہیں، مرد سے بھی ہے۔ عصمت و حیا کے پیکر حضرت یوسفؑ نے زلیخا کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

عمل کوئی بھی ہو ــــ خیال، تصور، احساس کے مراحل کے بعد مظہر بنتا ہے۔ اس مساوات کے تحت اگر حیا اور بے حیائی کے عامل ومعمول کے مراحل پر غور وفکر کریں کہ اس کا تعلق باطن سے کس نوعیت کا ہے تو اسے درج ذیل نکات میں بیان کیا جائے گا۔

فرد سب سے پہلے نظر کے سامنے یا ذہن میں موجود شے سے متعلق اطلاع کا تجزیہ کرتا ہے اور فوائد ونقائص سے واقف ہوتا ہے۔ معاشرہ میں ہر جائز شے کے حصول کے لئے قواعد وضوابط متعین ہیں جن کی پابندی سے فرد کو اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ قواعد کی عدم تعمیل خلش پیدا کرتی ہے۔ ضمیر کے خلاف عمل کرنے سے ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ ایک طرف کشش اور دوسری طرف گریز ــــ بالآخر فرد اپنی طبیعت کے مطابق رجوع کرتا ہے۔

کشش اور گریز کی کشمکش میں ضمیر کی عدالت لگتی ہے۔ طرز فکر میں رحمانیت غالب ہے تو فرد حیا کرتے ہوئے شیطنت سے پناہ مانگتا ہے۔ شیطنت کا غلبہ ہو تو فرد اللہ کی موجودگی کو نظر انداز کر کے بغاوت کا مرتکب ہوتا ہے۔

خواہش منفی ہو یا مثبت ــــ چہرہ پالینے کے احساس

سے سرشار ہوتا ہے۔البتہ عمل کا رخ مثبت ہونے سے سرشاری میں عاجزی اور نورانیت شامل ہوتی ہے، چہرہ چمک اٹھتا ہے اور یہ چمک ــــ نور کا ایک مظہر ہے۔

حیا جبلی اور فطری دونوں صفات سے متصف ہے۔ حیا کی ضد ''فحشاء'' ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''بے شک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے۔'' (العنکبوت: ۴۵)

صلوٰۃ قائم کرتے ہوئے ہم دراصل اعتراف کرتے ہیں کہ اے اللہ! توفیق عطا فرما کہ ہم ہر خلوت وجلوت میں آپ کو حاضر وناظر محسوس کرتے ہوئے باحیا رہیں، دل میں فرماں برداری اور بندگی کا احساس غالب ہو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔اللہ کی موجودگی کا احساس فحشاء کا مرتکب ہونے سے روکتا ہے۔صلوٰۃ کے مقصد کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے غرض تمام معمولات میں اپنا لیا جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں تو فرد حیا کو برقرار رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بے شمار نعمتوں اور وسائل سے نوازا ہے اور تربیت کے لئے ضابطۂ حیات عطا کیا ہے۔

''اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانپے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تاکہ لوگ اس سے سبق لیں۔'' (الاعراف:۲۶)

حیا اور ایمان کا خاص تعلق ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی نشانی فرمایا ہے ان لوگوں کے لئے جو تفکر کرتے ہیں۔قرآن میں مومنوں کی نشانی یہ ہے،

''کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے۔ زکوٰۃ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (المؤمنون:۳۔۵)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے،

''شیطان کے نقش قدم پر مت چلو اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ تو بے حیائی اور بری بات ہی بتائے گا۔'' (النور:۲۱)

نبی کریمؐ فرماتے ہیں،

''حیا ایمان کی ایک شاخ ہے اور ایمان ہی جنت میں لے کر جائے گا۔بے شرمی بدکاری میں سے ہے اور بدکاری آگ میں لے جانے والی ہے۔'' (مسند احمد)

غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ لباس جہاں ظاہری زینت اور ستر پوشی کا باعث ہے وہاں باطنی حواس کی بھی حفاظت کرتا ہے اور ہمیں صراط مستقیم پر گامزن کر دیتا ہے۔

حیا کے معنی احتیاط اور پرہیز گاری کے ہیں۔حیا کی صفت انبیائے کرام کی زندگی میں نمایاں ہے اور ہر امتی کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ پرہیز گاری کا لباس (صفت) دل کی وہ کیفیت اور فکر کی وہ طرز ہے کہ جب بندہ سمجھ لے کہ بحیثیت مخلوق اللہ تعالیٰ نے مجھے

اپنا نائب بنایا ہے اور مخلوقات میں مجھے احسن تقویم کا مقام عطا کیا۔ لہٰذا مجھے تقویٰ کی بہترین مثال قائم کرتے ہوئے ظاہری اور باطنی لغزش سے بچنا ہے اور اپنے خالق اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال سے دور رہنا ہے۔ حضور پاکؐ کا ارشاد ہے،

''اللہ سے ویسے حیا کرو جیسے حیا کرنے کا حق ہے۔''

(الجامع الصغیر الالبانی)

اللہ سے حیا ہمیں مرتبۂ احسان تک لے جاتی ہے۔

شرم وحیا کو عموماً پردہ سے موسوم کیا جاتا ہے حالاں کہ جہاں عورت کو اوڑھنیاں اوڑھنے کا حکم ہے اس کے ساتھ مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نظریں نیچی رکھیں۔ لڑکا ہو یا لڑکی، والدین کو دونوں کی تربیت زندگی کے یکساں معیار اور اصولوں کے تحت کرنی چاہئے۔ اصولوں کی پاسداری اور احکام کی بجا آوری سے باطن کی خوب صورتی ظاہر بن جاتی ہے۔

''فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، صادق مرد اور صادق عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، خشیت کرنے والے مرد اور خشیت کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور عظیم اجر رکھا ہے۔'' (الاحزاب: ۳۵)

مرد و عورت ایک لباس کے دو رخ ہیں۔

''وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔'' (البقرۃ: ۱۸۷)

---

عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''اللہ نے ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی ہے، عورت مرد کا لباس ہے اور مرد عورت کا لباس ہے۔ دانش ور کہتے ہیں کہ عورت کو مرد کی اداسی کم کرنے اور اس کا دل خوش کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ کھلی ناانصافی اور احسان فراموشی ہے۔''

(ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین)

لباس حیا ہے۔ مرد اور عورت دونوں پر ایک دوسرے کا احترام اور تقدس لازم ہے ورنہ ضرر پہنچانے سے اپنا لباس تار تار ہوتا ہے۔

جن تہذیبوں میں بے حیائی رائج ہے، وہاں بے سکونی کے باعث لوگ مختلف بیماریوں کا شکار ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا قول ہے کہ،

''اگر کسی قوم کو جنگ کے بغیر شکست دینی ہو تو اس کے نوجوانوں میں فحاشی پھیلا دو۔''

یہ لباس سے زیادہ عمل کی بے حیائی ہے کہ ذہن میں اللہ کا تصور نہیں اور دل اللہ کے ذکر سے خالی

ہے۔اسی لئے گھر گھر بے سکونی اور ناانصافی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔''

(الرعد: ۲۸)

آدمی لباس کی حیا کا اہتمام کرے لیکن عمل میں حیا نہ ہو تو یہ منافقت ہے۔اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانے میں ہچکچاہٹ محسوس ہونا یا غلط روایت پر آمادہ ہو جانا حیا کے برخلاف عمل ہے۔رشتوں میں حیا اور تقدس کی پاسداری، گفتگو میں احتیاط سب اس زمرہ میں آتا ہے کہ ہم اخلاقیات کے اعلیٰ معیار کو اختیار کریں۔

حضور پاکؐ نے زندگی کیئر آف اللہ گزاری ہے۔ ہر عمل میں اللہ کو حاضر و ناظر جانا اور دیکھا— اس لئے نامساعد حالات کا مقابلہ کیا، ہر فرد کے مقام کا تعین کیا اور احترام کی تلقین کی۔خود کو عملی مثال بنا کر پیش کیا اور پستی میں مبتلا ہجوم کو مہذب اور ترقی یافتہ قوم میں بدل دیا۔سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کیجئے۔دیگر انبیائے کرام اور برگزیدہ ہستیوں کی زندگی پر غور کیجئے، ان کی حیات کا ہر لمحہ حیا ہے۔حیا— اللہ کو حاضر و ناظر جاننا ہے۔ حقیقت سے غافل شخص بے حیا ہے۔وہ کسی کے تقدس کا خیال نہیں رکھتا۔اس کے ہاتھ اور زبان سے کوئی محفوظ نہیں رہتا۔وہ اپنے اور دوسروں کے لئے آزار بن جاتا ہے کیوں کہ دنیا عمل کی کھیتی ہے۔جب تک بندہ اعمال کا قرض اتار نہیں دیتا، دنیا سے رخصت نہیں ہوتا۔

حیا اور احکامات کی بجا آوری شعور اجاگر کرتی ہے کہ ہم اپنے خالق کی نظر میں ہمہ وقت پیش ہیں اور یہ خیال ضمیر کو اس احساس کے ساتھ توانائی بخشتا ہے کہ ہم خود کو تو دھوکا دے سکتے ہیں مگر اللہ سے مکر نہیں کر سکتے۔

ہم فی الوقت اسفل سافلین میں ہیں لیکن حتی الامکان اس کے اثر کو مغلوب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب ہر عمل میں اور ہر لمحہ اللہ کا خیال غالب ہو۔پس نوع انسانی خصوصاً مسلمانوں کے لئے رحمۃ للعالمینؐ کے یہ الفاظ راہ ہدایت ہیں۔

''حیا سے فقط بھلائی حاصل ہوتی ہے۔'' (صحیح مسلم)

## بھنور میں حفاظت

ایک آدمی دریا کنارے کھڑا تھا۔پیر پھسلا، توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پانی میں گر گیا۔پانی کا تیز ریلا اپنے ساتھ بہالے گیا۔آگے خطرناک آبشار تھی۔لوگوں نے شور مچادیا۔یقین ہو گیا کہ یہ زندہ نہیں بچے گا لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ آبشار سے گرنے کے بعد بھی وہ سلامت تھا اور دریا اسے بحفاظت کنارہ پر لے آیا۔جسم پر خراش تک نہ تھی۔لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟ اس نے کہا کہ میں نے پانی کے ساتھ مزاحمت نہیں کی۔پانی نے آگے بڑھایا میں آگے بڑھا، بھنور میں گھمایا، میں بھنور میں گھوما— پانی کے ساتھ پانی بن گیا تو پانی مجھے بحفاظت کنارہ پر لے آیا۔

# سرورق کی تشریح

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ نے اپریل 2019ء کے ''آج کی بات'' میں سرورق کی جو روحانی تشریح بیان فرمائی ہے یہ عظیمی صاحب کا ہی خاصہ ہے۔ وہ باتوں باتوں میں قوانین و فارمولے بیان کر دیتے ہیں۔ خاص بات یہ بھی ہے کہ سادہ اور آسان لفظوں میں روزمرہ مثالوں کے ذریعے بات سمجھاتے ہیں۔

میں نے سرورق میں اہم باتوں کو انڈر لائن کیا، کل 23 نکات سامنے آئے۔ چند پیش ہیں:

۱۔ زندگی کو قائم رکھنے کے لئے اہم جز روشنی ہے۔

۲۔ کائنات میں ہر مخلوق کا اپنا کردار ہے۔

۳۔ ہر مخلوق دوسری مخلوق کے لئے ایثار کر رہی ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ اور آگ کس طرح ٹھنڈی ہوئی، تحریر سے سمجھ میں آیا۔

۵۔ زندگی زندگی سے ملتی ہے تو زندگی بنتی ہے۔

۶۔ تخلیق کا فارمولا۔

۷۔ ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔

۸۔ مقداروں کا قانون

۹۔ حرارت کا قانون ۱۰۔ آگ کا قانون

۱۱۔ نظام کائنات ۱۲۔ جوڑے جوڑے تخلیق

۱۳۔ دخان ۱۴۔ رنگوں کا قانون

۱۵۔ سانس کا قانون وغیرہ

عظیمی صاحب نے ان میں کئی باتیں ایسی فرمائی ہیں جن سے دوسرے فارمولوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

2002ء میں برف باری کی وجہ سے آئے روز ہماری لالٹین جلتی اور فوراً بند ہو جاتی۔ چولھے (تیل والے) بھی پٹاخے جیسی آواز نکال کر بند ہو جاتے۔ وجہ سوچی لیکن بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک روز خیال آیا کہ مٹی کے تیل کا معائنہ کیا جائے۔ جب دیکھا تو بیرل کے اوپر تیل ہے نیچے سارا پانی ہے۔ معلوم ہوا کہ مٹی کے تیل میں پانی

ملا کر فروخت کیا جا رہا ہے۔ بعد میں معکوس ترقی * ہوئی اور لوگوں نے ڈیزل پٹرول میں بھی پانی کی ملاوٹ شروع کی اور یہ بازار میں فروخت ہوتے رہے جس سے بہت زیادہ گاڑیاں اور انجن خراب ہوئے۔

ہر درخت میں تیل کی مقدار ہے۔ جو پودے انسانی صحت کے لئے فائدہ مند ہیں ان کا تیل بآسانی مل جاتا ہے جیسے السی، تل، سرسوں، سویابین، ناریل اور بادام کا تیل وغیرہ۔ پہاڑی علاقوں میں لکڑی بطور ایندھن استعمال ہوتی ہے۔ جلانے کے لئے ان لکڑیوں کا انتخاب ہوتا ہے جو جلد آگ پکڑیں اور جن میں سے دھواں کم نکلے۔ مثلاً چیڑ، سفیدا (مقامی زبان میں گوند)، خوبانی، کاہو وغیرہ ایسے درخت ہیں جن میں تیل کی مقدار زیادہ ہوتی ہے لہٰذا یہ جلد آگ پکڑ لیتے ہیں۔ (عاشق حسین۔ ایبٹ آباد)

شے دو رخوں پر قائم ہے۔ ایک رخ غالب اور دوسرا مغلوب ہے۔ مادی آنکھ جن حواس کے ذریعے شے کا ادراک کرتی ہے اس سے تخلیق کی بنیاد نظر انداز ہو جاتی ہے صرف مظہر نظر آتا ہے۔ زمین کے اندر باہر مخلوقات ڈائی مینشن کی غالب حالت ہے۔ مقداروں میں خلط ملط کی وجہ سے تخلیق مختلف مرکبات کا مجموعہ ہے۔

فوٹان سیدھ میں سفر کرتے ہیں، جب تک آپس میں نہیں ٹکراتے، ڈائی مینشن مغلوب رہتے ہیں۔ جس مقام پر فوٹان آپس میں ٹکراتے ہیں، ان میں مخفی ڈائی مینشن غالب ہو کر رنگوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

مادی حواس ڈائی مینشن کو شے کی اصل سمجھتے ہیں لیکن پس منظر کچھ اور ہے۔ جیسے سرسبز درختوں میں جڑوں کے ذریعے پانی حاصل کر کے نشوونما کا سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن سرسبز ہونے کے لئے پانی کے ساتھ بہت سارے کیمیائی مادے اور سورج کی روشنی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سرسبز بننے کے لئے توانائی درکار ہے جو ضیائی تالیف کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ پودوں میں ضیائی تالیف کے دوران آکسیجن خارج ہوتی ہے یعنی کائناتی سسٹم کو چلانے کے لئے ایک شے سے دوسری شے کو حرارت ملتی ہے۔ پودوں کے خلیات میں جلنے کا عمل آگ کی مانند ہے۔ اسی وجہ سے یہ سبز دکھائی دیتے ہیں۔ سرورق پر درمیان میں الٹا مثلث ظاہر کرتا ہے کہ مادی آنکھ سے اوجھل عمل ڈائی مینشن کی مغلوب حالت ہے اور سبزہ غالب حالت ہے۔

پانی حیات کی بنیاد ہے۔ مادی آنکھ جس طرح پانی کو دیکھتی ہے، اس سے مقداروں کا علم اور ان کا تعین نہیں ہوتا۔ پانی کو روشنی سمجھا جائے تو حواس روشنی اور اس سے پہلے کے زون کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ مکانیت و زمانیت کا راز روشنی کے فارمولے پر قائم ہے۔ سرورق پر ایک مثلث سیدھا اور صرف تانے پر مشتمل ہے جو بتاتا

---

* معکوس ترقی (زوال، بدحالی)

ہے کہ عالم ناسوت میں آنے سے پہلے ہر شے کا مظاہرہ روشنی میں ہے۔ پھر عالم ناسوت جہاں بڑا مثلث الٹا بنا ہوا ہے، وہ زمین پر اشیا کے مظاہرہ کے لئے اسکرین ہے۔ درخت کے پتوں میں کیمیائی تعامل اور آگ حرارت کے باطنی رخ کو ظاہر کرتی ہے جب کہ رنگ نظر آنا حرارت کا دوسرا رخ ٹھنڈک ہے۔ (ڈاکٹر زبیر احمد۔ کراچی)

فوٹوسنتھیسز کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں۔

۱۔ روشنی: روشنی کی غیر موجودگی میں پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ میں ملاپ نہیں ہوتا۔ روشنی کیمیائی عمل کے لئے توانائی مہیا کرتی ہے۔ ۲۔ کلوروفل: کلوروفل سبز مادہ ہے جو سورج کی روشنی کو جذب کرتا ہے۔

۳۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ ($CO^2$): گلوکوز کے لئے کاربن کا ذریعہ ہے۔

۴۔ پانی: گلوکوز کے لئے ہائیڈروجن مہیا کرتا ہے۔ پانی کم یا زیادہ ہونے سے اسٹومیٹا بند ہوتے اور کھلتے ہیں۔

۵۔ درجۂ حرارت: اس کے لئے سازگار درجہ حرارت 10 تا 20 سینٹی گریڈ ہے۔ زیادہ سرد (0 تا 10 سینٹی گریڈ) درجۂ حرارت کے دوران کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح 20 سے زائد درجہ پر بھی کارکردگی کم ہوتی جاتی ہے اور 40 درجہ پر ضیائی تالیف کام نہیں کرتی۔

اللہ آسمان سے روشنی نازل کرتا ہے۔ روشنی زمین پر منعکس ہوتی ہے اور شجر و حجر سمیت دیگر نوعیں ظاہر ہوتی ہیں۔ زمین پر جو کچھ نظر آرہا ہے اس کا باطنی رخ روشنی ہے۔ (ڈاکٹر سید وسیم احمد۔ کراچی)

ہر تخلیق کا خالق رب العالمین اللہ ہے۔ تخلیقات اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتی ہیں۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو انسپائریشن مل رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانو۔ ہر شے دو رخوں پر پیدا کی گئی ہے۔ ایک رخ مادیت ہے اور دوسرا رخ باطن ہے۔ یہ دونوں رخ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن مادی رخ ہمیشہ باطنی رخ کے تابع ہوتا ہے۔ صلاحیت باطنی رخ میں ہوتی ہے۔ حرکت صلاحیت کا مظہر ہے۔ ہر شے کی صلاحیت الگ الگ ہے اور اجتماعی بھی۔ لکڑی کی ایک صفت جلنا ہے۔ جہاں گھنے جنگل ہوں اور دھوپ یعنی گرمی زیادہ ہو وہاں لکڑیوں میں از خود آگ لگ جاتی ہے۔ (شگفتہ مشکبار۔ کراچی)

# غیب کی دنیا

ان دیکھی چیزوں پر یقین کی تکمیل نہیں ہوتی۔ یہ قانون صرف غیب کی دنیا میں ہی نافذ نہیں ہے، ہماری روزمرہ زندگی میں بھی یہ قانون نافذ اور جاری وساری ہے۔نوع انسانی کی زندگی کا ہر شعبہ اس قانون کا پابند ہے۔اس قانون کی حدود میں رہتے ہوئے جب ہم زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں یا افعال وکردار کا محاسبہ کرتے ہیں تو ہم یہ جان لیتے ہیں کہ جب تک ہم کسی چیز کی طرف یقین کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتے ہم اسے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

ایک آدمی کسی درخت کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔آنکھیں بند ہیں یا آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن درخت کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ایسی صورت میں کہ درخت موجود ہے،اس کی آنکھوں کے سامنے نہ تو درخت کی ساخت آتی ہے اور نہ ہی اس کی نظروں کے سامنے پھول، پتیاں اور رنگ ہیں۔اس کے برعکس اگر وہ درخت کو دیکھتا ہے تو درخت کی ساخت، درخت کے پھول، درخت کی پتیاں، درخت کے رنگ، درخت کی اونچائی، درخت کا پھیلاؤ سب نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔

درخت دیکھنے سے پہلے ہمیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے درخت ہے۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ درخت موجود ہے۔ادراک میں یہ بات موجود ہے کہ دنیا میں ہزارہا درخت موجود ہیں لیکن اگر قانون کی شرط پوری نہ کر کے درخت کو ایک حقیقت تسلیم کرنے کے بعد درخت کا مشاہدہ نہ کیا جائے تو ہم درخت کو نہیں دیکھ سکتے۔

درخت دیکھنے کے لئے پہلے درخت کی موجودگی کا تصور ذہن میں موجود ہونا ضروری ہے اور درخت سے متعارف ہونے کے لئے ادراک سے ایک قدم باہر آکر درخت کا مشاہدہ کرنا ضروری ہے۔یہی صورت غیب کی دنیا کی ہے۔ (کتاب: نظریۂ رنگ ونور)

اشرف صبوحی

# بھان متی

اری خواہشوں کی ماری! اس جہاں میں سکھ کسی کو میسر نہیں، اتنی حرص نہیں کرتے ــــ یہ سب مالک کے بھید ہیں، وہ کس کو کیا بنا دے۔

کہتے ہیں کہ آبادی سے دور دریا کنارے ایک جوگی رہتا تھا۔ جنگلی درختوں کے کنج* میں چھوٹی کٹیا بنالی تھی سب سے الگ خاموش۔ ہر شے سے بے پروا رات دن ذکر و فکر کرتا۔ صبح دریا کی طرف جاتا، نہاتا اور کچھ دیر عبادت کرتا تھا۔ خالق کی قدرت کا سماں دیکھتا، بن باسیوں اور جنگل کے پرندوں کے گیت سنتا، ادھر ادھر پھرتا رہتا اور رات کو اپنی کٹیا میں آجاتا۔ اس نے خود کو دنیا کے جھمیلوں سے دور کر دیا تھا۔ خالق سے لو لگی تھی اس لئے مایا اور مایا کے سارے جلوے بھلا دیئے تھے۔ رہنا بھی ایسی سنسان جگہ اختیار کیا کہ آدم نہ آدم زاد!

جنگل میں جانور تھے لیکن جوگی کی اپنی دنیا تھی۔ نہ طوطوں کے غول اسے لبھا سکتے تھے نہ ہرنوں کی ڈاریں اور نہ کوئی دوسرا چرند یا پرند کٹیا کے پاس آتا۔ سب دور سے دیکھتے لیکن قریب آکر عبادت میں خلل نہیں ڈالتے تھے۔ جوگی کو یہاں رہتے ہوئے سالوں گزر گئے۔

ایک روز چوہیا نے ہمت کر کے نہ جانے کس طرح کٹیا کے قریب بل بنالیا۔ وہ نڈر تھی اور زیادہ وقت ادھر ادھر پھرنے میں گزارتی۔ جوگی کھانے کے لئے پھل اور پینے کے لئے دریا سے پانی لاتا تھا۔ چوہیا اس کے بچے کھچے پر گزارہ کرتی۔ آہستہ آہستہ وہ جوگی کے سامنے آنے لگی یہاں تک کہ کٹیا میں آنا جانا شروع کر دیا۔ جوگی نے کبھی بے زاری کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اس کی گود میں اچھلتی کودتی اور کٹر کٹر کرتی ۔ جوگی بھگانے کے بجائے چپکا بیٹھا اسے دیکھتا۔

رفتہ رفتہ ساتھ رہتے ہوئے جوگی کو بھی چوہیا سے انسیت ہوگئی۔ اپنے ہاتھ سے کھانے کو دیتا، عبادت کے بعد فرصت ملتی تو اس کے تماشے دیکھتا۔ آخر آدم زاد تھا چوہیا سے جی بہلاتے ہوئے خواہش پیدا ہوئی کہ کیسا اچھا ہو اگر یہ آدمیوں کی طرح بولنے لگے۔ اس نے ذہن چوہیا کے بولنے پر مرکوز کر دیا۔

قدرت کو کرشمہ دکھانا منظور تھا، چوہیا باتیں کرنے لگی۔ جوگی کو خوشی ہوئی اور اپنی طاقت کا گھمنڈ بھی ہوگیا۔ اب وہ زیادہ وقت چوہیا کے ساتھ گزارنے لگا۔ وہ مزہ مزہ کی باتیں کرتی اور جوگی خوش ہوتا۔

ایک دن جوگی آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ آنکھوں میں خمار تھا۔ چوہیا سے بولا، دیکھا! ہم جو چاہتے ہیں وہ ہوجاتا ہے۔

چوہیا نے جب دیکھا کہ جوگی جی موج میں ہیں جھٹ پٹ گود میں آئی اور کہنے لگی، گرو جی! آپ کی کیا بات ہے! سارے جہان میں آپ نے نام کر دیا۔ بڑے بڑے لوگ بے بس ہوگئے۔ آپ کی دعا سے میں بولنے تو لگی ہوں پر اس روپ میں یہ بولی جچتی نہیں۔ دو چار دن سے ایک بلی نہ جانے کہاں سے آ گئی ہے۔ ایسا نہ ہو اندھیرے اجالے میں کہیں آپ کی یہ داسی اس کے منہ کا نوالہ بن جائے۔

جوگی: پھر بچہ تیری کیا مرضی ہے؟

چوہیا: ڈر ہے اس کا شکار نہ بن جاؤں۔ ایسا کچھ ہو کہ میری جان بچے۔ ایسا کرو مجھے بلی بنادو۔

جوگی: توبہ توبہ — بلی کی خصلت معلوم ہے تجھے؟ کیا بلی بن کر چوہوں کا قتل کرے گی؟

چوہیا: میں تو آپ کی بلی ہوں گی۔ کیا چوہوں کے بغیر بلیاں نہیں جیتیں؟

جوگی: تجھے بلی بننے کی کیا ضرورت ہے؟

چوہیا: ایک تو بلی کا مجھ پر زور نہیں چلے گا دوسرا — اونچی ذات کی ہوجاؤں گی۔

جوگی ہنسا، اس کی ہنسی میں غرور تھا۔ الاؤ سے راکھ کی ایک چٹکی اٹھائی اور چوہیا پر ڈال دی۔ دیکھتے دیکھتے چوہیا خوب صورت بلی بن گئی۔ سارا دن جوگی کی گود میں بیٹھی رہتی۔ جوگی سوتا یا دریا پر جاتا تو یہ ادھر ادھر نکل جاتی درختوں پر چڑھتی۔ کٹیا پر چھلانگیں مارتی، پرندوں کا شکار کرتی اور مزے اڑاتی۔

چوہیا نے جب کایا پلٹ دیکھی اور جنگل میں اپنے سے زیادہ طاقت ور جانور نظر آئے تو دل بھر آیا کہ ہرن، شیر، چیتے کیسی چھلانگیں مارتے پھرتے ہیں۔ کاش بلی نہ بنتی، کتا بن جاتی۔ اسی دھن میں کوئی پندرہ بیس روز کے بعد لاڈ میں آ کر کہنے لگی، گرو جی! جب تک چوہیا تھی یہی کٹیا محل معلوم ہوتی تھی۔ بلی بن کر تو دکھ بڑھ گئے۔ ایک جگہ پڑے پڑے دم گھٹتا ہے۔

جوگی: جنگل اور دریا کی ہوا کھاؤ۔ گھومو پھرو کس نے منع کیا ہے —؟

بلی: ہوا تو کھا آؤں پر گیدڑ بھیڑیے جو ستائیں گے؟

جوگی: اونچے ہونے میں یہی تو مشکل ہے۔

بلی: کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں اور اونچی ہو کر ان لوگوں میں شامل ہوجاؤں؟

جوگی: اے بلی! یہ خواہش اچھی نہیں۔

بلی کمر جوگی کے گھٹنے سے ملتے ہوئے بولی، گرو جی! ایک چٹکی خاک کا خرچ ہے۔ کتیا کا روپ دھار دو تو بڑی دیا ہو۔ پھر میں مگن رہوں گی کوئی ڈر نہیں رہے گا۔

جوگی: اری خود پر بوجھ نہ ڈال ورنہ پچھتائے گی۔

لیکن بلی نے ایسی باتیں بنائیں کہ جوگی راضی ہوگیا۔ لیجئے چوہیا بلی سے کتیا بن گئی۔

قاعدہ ہے کہ آدمی ہو یا حیوان ـــ جہاں اپنے قد سے بڑھا، پیر زمین پر نہیں لگتے۔ دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔ ایک خواہش پوری ہوتی ہے کہ ہزار آرزوئیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ حد سے گزرتا ہے اور قیامت آجاتی ہے۔

کچھ دن چوہیا، چوہیا سے بلی اور بلی سے کتیا بنی اپنا روپ دیکھتی رہی۔ دور دور نکل جاتی، دریا کے کنارے پھرتی۔ کہیں مرا ہوا جانور یا مری ہوئی مچھلی نظر آتی اور کبھی خرگوش بھی ہاتھ آجاتا اور کبھی خالی پیٹ!

اب پیٹ کو تو روز کچھ چاہئے، فاقے ہونے لگے۔

آخر تنگ آکر جوگی سے کہنا پڑا، گرو جی! میری جان بچاؤ یہ روپ تو میری جان لے لے گا۔

جوگی: کیوں اب کیا پریشانی ہے؟

کتیا: کیا بتاؤں۔ ساگ پات، پھل پھلاری میری خوراک نہیں۔ شکار کو نکلوں تو ایسا نہ ہو کہ خود شکار بن جاؤں۔ مجھ سے بڑے جانور یہاں میری تاک میں ہیں۔ کچھ خیال کرو میرا۔

جوگی: اپنا کیا بھگت! اب میں کیا بتاؤں۔

کتیا: دیکھو! درختوں پر اچھلتے کودتے جانور کیسے بھلے لگتے ہیں۔ شکار ہونے کا ڈر نہیں۔ ایک درخت سے دوسرے درخت چھلانگیں لگاتے ہیں اور بآسانی پھل کھاتے ہیں۔

جوگی: (جوش میں آکر) بندریا بننا چاہتی ہے؟

کتیا: ہاں گرو جی ـــ ذات بھی اچھی ہو جائے گی اور کھانے پینے کے لئے محنت نہیں کرنی پڑے گی۔

اس کا یہ کہنا تھا، جوگی نے ہاتھ ہلایا اور پلک جھپکتے کتیا بی بندریا بن گئی۔

مہینوں بندریا اس درخت سے اس درخت پر، شاخ در شاخ کودتی اچھلتی میوے کھاتی کھی کھی کرتی پھرتی۔ گرمی کا موسم آیا تو جوہڑ تالاب خشک ہو کر دلدل بن گئے۔ کنوئیں سے پانی پینا بندروں کے بس کی بات نہیں۔ پیاس سے حالت خراب ہوگئی۔ تالاب میں ہرنوں کو انگڑائی لیتے اور کیچڑ میں چھپا چھپی کرتے دیکھتی تو رشک آتا۔ دور دور تک پانی نہیں تھا۔ ہرنوں کی خوش قسمتی اور اپنی بے بسی پر رونا آگیا۔

صبر نہ ہو سکا تو جوگی سے فریاد کی اور کہا، دیکھنا ان ہرنوں کا بھاگ کیسا اچھا ہے۔

جوگی: اری خواہشوں کی ماری! اس جہاں میں سکھ کسی کو میسر نہیں، اتنی حرص نہیں کرتے ـــ یہ سب مالک کے بھید ہیں، وہ کس کو کیا بنا دے۔

بندریا: پر گرو جی! تمہاری چیلی پر تو مالک کا خاص کرم ہونا چاہئے۔

جوگی: تو کیا اب تجھے ہرن بنا دوں؟

بندریا: مالک آپ کو اس سے زیادہ قوت دے۔ بندریا بننے سے میں بہت دکھی ہوں۔

جوگی نے ایک ڈھیلا اٹھا کر بندریا کو مارا ـــ بی بندریا تیزی سے اٹھی تو ہرنی بن گئی تھی۔

کئی ہفتے اس طرح گزر گئے۔

ہرنی صبح سویرے نکل جاتی، ہم جنسوں کے ساتھ کبھی اس جوہڑ میں کبھی اس تالاب میں خرمستیاں کرتی، کیچڑ اچھالتی، ہری بھری گھاس پر چوکڑیاں بھرتی اور سورج چھپے جوگی کے پاس آ کر بیٹھ جاتی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کہیں سے ہاتھی آ گیا — سیدھا تالاب میں گھسا اور سارے ہرن بھاگ گئے۔ ہرنی دور سے ہاتھی کا تماشا دیکھتی رہی۔

ہاتھی کی شان کا کیا کہنا! اس کا ڈیل ڈول، طاقت اور قدوقامت کے تصور سے ہرنی کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ صبح دریا کی طرف جاتے ہوئے دل میں کہنے لگی کہ یہ جانور ہے پر کتنا خوش نصیب! ڈیل ڈول دیکھو پہاڑ کا پہاڑ۔ چلتا ہے تو زمین ہلتی ہے۔ راجا اس پر سوار ہوتے ہوئے سپنے میں آ جائے تو بھاگ کھل جائیں۔ جیتے جی راج پاٹ کی نشانی۔ مرجائے تو دانتوں اور ہڈیوں کی قدر۔ میں نے بھی کیا بھول کی جو ہرنی بن گئی۔ ابھی کوئی شکاری آ جائے اور ایک تیر سے کام تمام کردے۔ نہ جینے میں عزت نہ مرنے پر آبرو۔ اب جوگی برا مانے یا بھلا۔ ہتھنی بنے بغیر نہیں رہوں گی۔

یہ سوچ کر چوکڑیاں بھرتی ہوئی کٹیا کی طرف لوٹی۔ راستہ میں جوگی جی بھی مل گئے۔ معمول کے خلاف اسے جلدی واپس آتے دیکھا تو پوچھا: خیریت ہے اس وقت گھر کیسے جارہی ہو —؟

ہرنی: گرو جی! اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ کٹیا کے دروازہ پر پڑے پڑے مرجانا اچھا ہے۔

جوگی: کوئی نیا ڈراما کرنا چاہتی ہے۔ اس روپ میں بھی خامی مل گئی تجھے؟

ہرنی: گرو جی! تم نے اپنی قوت دکھا کر مجھے کسی کام کا نہیں رکھا۔ مجھے جانور نہ سمجھو۔ بولی کے ساتھ سارے ارمان آدمیوں کے سے ہیں۔ جو اپنے سے بڑا نظر آتا ہے ویسا بننا چاہتی ہوں۔

جوگی: اب کیا بننا چاہتی ہے، کس کو دیکھ لیا؟

ہرنی: نہ جانے کہاں سے ہاتھی آ گیا تھا۔ صورت دیکھتے ہی بے چین ہوگئی۔ ارمان ہے کہ ہتھنی بن جاؤں۔ مہربانی کی ہے تو پوری مہربانی کرو نہیں تو سر پٹخ کر مرجاؤں گی۔

جوگی: ارے ایسا کام نہ کرنا۔ ہتھنی بننے کا شوق ہے تو ہتھنی بن جا۔ یہ کہنا تھا کہ ایک ہتھنی سامنے کھڑی جھوم رہی تھی۔ ہتھنی کی شکل میں آتے ہی چوہیا ایسی اترائی کہ سارا جنگل گھوم لیا۔ کبھی دریا کی طرف جاتی، اتر کر نہاتی اور کبھی سونڈ اٹھا کر درخت پر سے پھلوں کا صفایا کرتی۔

جوگی اسے دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا۔ اس اچھلنے کودنے میں ہتھنی نے جوگی کی کٹیا کی بھی خبر لے ڈالی۔ کٹیا کون سی مضبوط تھی، ایک جھٹکے میں نیچے آ گئی۔

جوگی نے برا نہیں مانا۔ ہنستے ہوئے بولا، کیوں ری! میرے سر چھپانے کا جھونپڑا بھی توڑ ڈالا۔

ہتھنی نے کلکاری مار کر جواب دیا، گرو جی ! سب آپ کی مہربانی ہے۔

ہتھنی بن کر چوہیا میں ضرورت سے زیادہ گھمنڈ آ گیا۔کوسوں دور نکل جاتی اور گنے شوق سے کھاتی۔ دریا پار کر کے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔

ایک دفعہ دور جنگل میں دندناتی پھر رہی تھی جو کسی راجا کی عمل داری میں تھا۔ اتفاق سے راجا شکار کرتا ہوا آ نکلا اس کی جو نظر پڑی تو عجیب طرح کی سجیلی ہتھنی دیکھی، آنکھوں کو بھائی۔ ساتھیوں کو حکم دیا کہ جیسے بنے اسے گھیر لو۔ سوار اور پیادے دوڑے۔ ہتھنی کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

چوہیا کی تو دلی آرزو تھی کہ ہتھنی بن کر راجا کی سواری میں رہوں، اکڑ اکڑ کر چلوں، وہ کیوں زور دکھاتی، جلدی سے ہاتھ آ گئی۔ اسے قابو میں کر کے فیل خانہ لے جایا گیا۔ راجا کو ہتھنی پسند آئی اور ہتھنی کو راجا کی سواری بننا۔ راجا کا شوق اور ہتھنی کے دل کا ارمان — سدھا کر سواری کے قابل بنا لیا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ رانی دریا کی سیر کو جانا چاہتی تھی، ہتھنی کو دیکھ کر جی چاہا کہ اسی پر بیٹھ کر جائے۔

راجا نے ہر چند کہا کہ نئی ہتھنی ہے اس پر پہلے پہل رانی کا بیٹھنا مصیبت سے خالی نہیں مگر رانی ضد کی پکی تھی، بات نہ مانی اور سوار ہو گئی۔

بیٹے نے باپ سے کہا، غلطی کیوں ہوتی ہے اور ہمیں اس کا احساس کیوں نہیں ہوتا — ؟

باپ نے جواب دیا، غلطی ہوتی نہیں، کی جاتی ہے۔ یہ کہنا کہ غلطی ہوتی ہے، کسی اور کو مورد الزام ٹھہرانا ہے۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا! کشتی چھوٹی اور سمندر وسیع ہے۔ جب تک کشتی میں سوراخ نہ ہو جائے، سمندر کا پانی کشتی کو ڈبو نہیں سکتا۔ اسی طرح برائیاں ایک جگہ ہو جائیں تو بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتیں جب تک کہ تم خود برائی کو قبول نہ کر لو۔

ہتھنی کے سر میں تو کچھ اور سمائی ہوئی تھی۔ اس نے یہ روپ فقط راجا کی سواری کے لئے اپنایا تھا۔ رانی کا بیٹھنا بہت برا معلوم ہوا ایسا شور مچایا کہ عماری* الگ جا گری اور رانی زمین پر۔ نوکر چاکر دوڑتے ہوئے آئے۔ راجا بھی محل سے نکل آیا — شور مچ گیا۔

راجا کو رانی کے گرنے کا بہت صدمہ ہوا۔ غصہ میں حکم دیا کہ اس مستانی کو لے جاؤ اور کانٹے دار بیڑیاں پیروں میں ڈال کر قید کر دو۔

ہتھنی نے راجا کو یہ کہتے سنا تو ساری ہمامہی نکل گئی۔ ڈر کے مارے بھیڑ کو چیرتی، چنگھاڑتی، سونڈ ہلاتی ایسی بھاگی کہ آگے دیکھا نہ پیچھے، سیدھی جوگی کی کٹیا پر پہنچ کر دم لیا۔ راجا نے بھی سمجھا کہ جانے دو بلا ٹلی۔ دکھاوے کے لئے مہاوتوں پر خفا ہو کر چپ ہو گیا۔ (قسط: ۱)

---

* کنج (غار۔درختوں کے سائے میں بیٹھنے کی جگہ) * عماری (ہاتھی کا ہودا جس پر لوگ بیٹھتے ہیں)

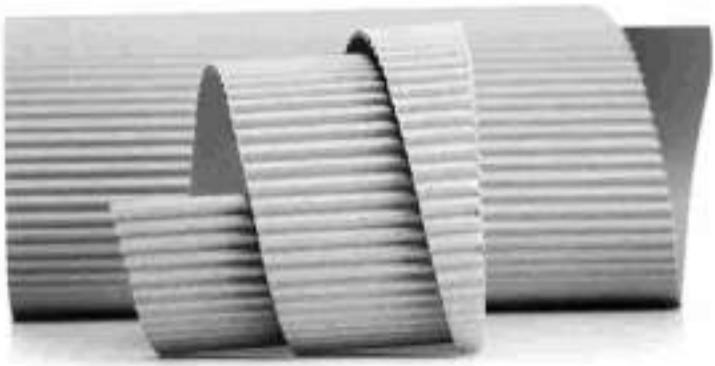

**Manufacturer of**
**Liner & Floating Paper**

# PRIME PACK INDUSTRIES


**C-21, S.I.T.E, Hyderabad**
**Tel: 022-3880627**
**Fax: 022-3880381**

# اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالہ کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

---

حضرت رابعہ بصریؒ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا، ''اے اللہ! اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے اور اگر میں تیرے حضور جنت کی لالچ میں سجدہ کرتی ہوں تو مجھے اس جنت سے محروم کر دے اور اگر میں صرف تیری ذات کے لئے تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے نواز دے۔'' زاہد و عابد دوزخ سے نجات اور جنت کی ابدی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے عبادتیں کرتے ہیں، عبادت روحانی لوگ بھی کرتے ہیں اور ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں لیکن ان کے پیش نظر خوف، طمع، لالچ یا جنت مقصد نہیں ہوتا وہ صرف اس لئے اللہ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں کہ ان کی زندگی کا مقصد اللہ کے علاوہ دوسرا نہیں ہوتا۔

(مرسلہ: محمد علی، کتاب: صدائے جرس)

ہم کہتے یہ ہیں کہ ہم روٹی کھاتے ہیں۔ فی الواقع بات یہ ہے کہ گندم کے اندر روشنی یا زندگی یا انرجی یا حرارت یا کشش ثقل ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور جب ہم اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاتے ہیں تو ہمارے اندر کی بھوک گندم کے اندر جذب ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم گندم نہیں کھاتے، گندم ہمیں کھاتی ہے۔ اس کو دوسری طرح بیان کیا جائے تو اس طرح کہا جائے گا کہ گندم کے اندر کشش ثقل موجود ہے۔ کشش ثقل یا gravity ہمیں کھینچ لیتی ہے۔ ہم کشش ثقل کو نہیں کھینچتے۔ جب ہمارے اندر یہ تقاضا پوری گہرائیوں کے ساتھ سرگرم عمل ہو جاتا ہے تو ہمیں بھوک کا احساس ہوتا ہے۔ احساس سے مراد یہ ہے کہ اب ہم بغیر کھانا کھائے نہیں رہ سکتے۔ اس نقطہ پر کھانا مظہر بن جاتا ہے۔ اس کو آپ کوئی بھی نام دیں، کسی بھی طرح تیار کریں، بہرحال وہ کھانا ہے۔

(مرسلہ: ناصر فاروقی۔ لاہور، کتاب: اسم اعظم)

ایک شخص کے پاس چھری ہے۔اس سے کسی کو زخمی کردے تو یہ شیطانی کام ہے۔اسی چھری سے وہ سبزی کاٹتا ہے، پھل کاٹتا ہے تو یہ شیطانی کام نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں چھری سے کاٹنے کا کام لیا گیا ہے۔لیکن ایک کام برا عمل ہوا اور دوسرا اچھا کام ہے۔ برا کام شیطانی فعل ہے اور اچھا کام رحمانی عمل ہے۔ شیطانی عمل کی پہچان یہ ہے کہ وہ دو آدمیوں کو آپس میں لڑا دیتا ہے،نفرت،حسد اور بغض پیدا کرتا ہے۔شیطان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ آدمی کے اندر دوسرے آدمی کی برائی کا کھوج لگانے کا جذبہ پیدا کردیتا ہے،کسی کو برا کہنے سے آپ نے دوسروں کو برائی کی طرف متوجہ کیا، یعنی اس طرح سے برائی کا پرچار ہوگیا۔جب کوئی کسی کی بری بات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس برائی کی لہریں متوجہ ہونے والے میں سما جاتی ہیں اور وہ برے خیالات کا شکار ہوجاتا ہے۔

(مرسلہ:وجیہ سلیم۔کراچی، کتاب:ہمارے بچے)

روحانی علما بتاتے ہیں کہ روح کے ستر ہزار پرت ہیں۔ہر پرت انسان کے اندر اس کی اپنی صلاحیت ہے۔یہ صلاحیت ہر مرد اور ہر عورت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مثالیں دے کر سمجھاتے ہیں۔دنیا کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے۔جب بندہ اس نشانی پر غور کرتا ہے تو بے شمار عجائبات کی پردہ کشائی ہوتی ہے۔

ایک بڑا پیاز(onion) لیجئے۔اس کے پرت اتاریئے۔پرت اتارنے کے بعد پیاز کے بالکل وسط میں ایک ڈنٹھل ملے گی۔اس ڈنٹھل کے ساتھ پیاز کے سارے پرت چپکے ہوئے ہوتے ہیں۔

یہی مثال روح کی ہے۔۔۔ڈنٹھل کو اگر روح مان لیا جائے تو پرت ایک صلاحیت ہے۔جس طرح پیاز کے ہر پرت میں پیاز کی خاصیت موجود ہے اس طرح روح کا ہر پرت اللہ کی صفت کا مظہر ہے۔

(مرسلہ: نادرہ خاتون۔نوشہرہ ، کتاب: ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین)

الصلوٰۃ معراج المومنین ان بندوں یا مومنین کو حاصل ہوتی ہے جو نماز کے ذریعے اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کر لیتے ہیں۔حضور پاکؐ کی معراج یہ ہے کہ رسول اللہؐ کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ اس طرح قائم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے راز و نیاز کی باتیں کیں۔مومن کی معراج یہ ہے کہ اسے نماز میں حضور قلب نصیب ہوجاتا ہے۔

(مرسلہ:مناہل۔کراچی،کتاب:اللہ کے محبوب)

اچھی بات صدقہ اور بری بات برائی ہے۔زبان سے لوگوں کو محفوظ رکھنا اور ناگوار بات کو نظر انداز کرنے سے شخصیت میں مقناطیسی کشش پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اچھی بات کہئے اور اچھی بات سنئے۔

(مرسلہ:محمد سلطان،سعودی عرب)

ادارہ

# اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

---

اچھے بچو ــــ السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آسمان کو بروج سے سجایا ہے۔ بروج کے معنی دنیائیں ہیں۔ آسمان میں چاند ستارے سورج ہماری دنیا کی طرح دنیائیں ہیں۔ جگ مگ تاروں سے آسمان روشن رہتا ہے اور ستاروں سے زمین کی طرف دیکھیں، ہماری زمین بھی چمکتا ہوا سیارہ ہے۔ زمین کا چمکنا وہ خواتین و حضرات دیکھتے ہیں جو روحانی علوم سے واقف ہیں۔ دوسری دنیاؤں میں بھی آدمی اور مخلوقات آباد ہیں اور ان کا جسم وہاں کی مٹی کے مطابق ہے۔ مثلاً کسی جگہ مخلوق ٹرانسپیرنٹ ہے، کہیں پر سرخ ہے اور کہیں سفید رنگ ہے۔

بچو! سورج غروب ہو جائے اور آسمان گہری نیلی یا سیاہ چادر اوڑھ لے تو نظر آئے گا کہ اس چادر میں ستارے کڑھے ہوئے ہیں۔ ہر ستارہ ایک دنیا ہے جس میں مخلوق آباد ہے۔ ان ستاروں کو گنیں اور بتائیں کہ ہماری زمین کے علاوہ آسمان میں اور کتنی دنیائیں ہیں؟

**مئی 2019ء میں اولی الالباب بچوں سے سوال کیا گیا تھا کہ کیا پانی دیکھنے سے پیاس بجھتی ہے؟ پانی کو ڈائی میں ڈال کر فریج میں رکھیں اور بتائیں کہ صبح پانی نظر آیا ــــ یا کچھ اور؟**

**عبیرہ یوسف، جماعت ہشتم (کراچی):** اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانی سے تخلیق کیا ہے، جسم میں پانی کم ہوتا ہے تو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہم پانی پیتے ہیں۔ پانی کو دیکھنے سے پیاس نہیں بجھتی کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ پیاس صرف پانی پینے سے بجھتی ہے۔

**(نورالعین، جماعت چہارم، اٹک)** بہت ساری چیزوں پر غور کیا۔ سب میں پانی شامل ہے۔ روٹی کے لئے گندم کی ضرورت ہے۔ گندم کی فصل پانی ملنے کے بعد تیار ہوتی ہے۔ گندم پیس کر آٹے کو گوندھنے کے لئے پانی شامل کرتے ہیں۔ پھول، پھل باغات میں اگتے ہیں، انہیں پانی دیا جائے تو وہ بڑے ہوتے ہیں ورنہ ــــ؟

**احمد محی الدین۔ جماعت ہفتم (چشمہ):** پانی کو ڈائی میں ڈالنے سے پانی کی شکل تبدیل ہوگئی اور وہ برف بن گیا۔ ہمیں وہ ٹھوس نظر آرہا ہے لیکن یہ پانی ہے۔ برف کو کچھ دیر باہر رکھیں وہ پگھل کر دوبارہ پانی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمے ہوئے پانی کا نام برف رکھتے ہیں۔

**فاطمہ۔ جماعت سوم (ملتان):** پانی پر غور کرنے سے پانی میں چمک نظر آئی۔ جب پانی جم گیا تو چمک چھپ گئی۔ چمک کیوں چھپ گئی؟

★ **آپ نے جو لکھا ہے اس میں دانش مندی ہے لیکن مفہوم واضح نہیں ہوا۔ برف کے ڈلے کو صاف ستھری پلیٹ پر رکھئے اور غور سے دیکھئے۔ بتایئے، چمک نظر آتی ہے یا نہیں؟**

**نور خالق۔ فرسٹ ایئر (میانوالی):** پانی کا کوئی رنگ نہیں، پانی نیوٹرل ہے۔ ہر شے پانی سے تخلیق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہر شے کو نیوٹرل طرز فکر سے تخلیق کیا ہے۔

**چلڈرن گروپ (قلندر شعور اکیڈمی فیصل آباد):** بچوں نے تجربہ کیا اور پانی کو مختلف ڈائیوں میں جمانے کے لئے رکھا، صبح جاگے تو پانی سے مختلف شکلیں بن گئی تھیں۔

**(آمنہ زاہد، پشاور):** ہم نے یقین کے ساتھ جو سنا ہے، بزرگ پانی کو پانی کہتے ہیں۔ مثلاً ماں بچہ کو اماں کے نام سے متعارف کراتی ہے تو بچے اماں کہتے ہیں۔

خط بھیجنے والے دیگر بچوں کے نام: بی بی نمرہ، محمد داؤد، فائقہ عقیل، عائشہ فاروق، دانیہ ضمیر، وقاص احمد، صائمہ۔

# شہد کی مکھی

پیارے بچو ــــ بیری کے درخت میں شہد کی مکھیوں کا چھتا تھا جہاں ملکہ کا حکم چلتا تھا۔ چھتے میں ہنی بی کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ شہد رکھنے اور مزید انڈے دینے کی جگہ نہیں تھی۔ لہٰذا ملکہ نے حکم صادر کیا کہ یہاں سے کوچ کر کے دوسرے چھتے کا انتظام کیا جائے۔ چھتا چھوڑ کر جانے سے پہلے اسے کسی دوسری ملکہ کے سپرد کرنا تھا۔ چوں کہ چھتے میں ایک وقت میں ایک ملکہ ہوتی ہے، اسی لئے دوسری ملکہ کی ضرورت تھی۔

چھتے میں بے شمار ایک سائز کے کمرے تھے اور ہر کمرے میں چھ کونے تھے۔ چھ کونے والی شکل کو مسدّس کہتے ہیں۔ ایک کمرا سب سے بڑا تھا۔

ملکہ ہنی بی جب نقل مکانی کا فیصلہ کرتی ہے، اس بڑے پیالہ نما کمرے میں انڈا دیتی ہے۔ ملکہ نے وہاں انڈا دیا۔ خدمت پر معمور تمام ہنی بی مصروف ہوگئیں۔ ان کے سر سے سیال (بہنے والا مادہ) بہنے لگا جسے رائل جیلی کہتے ہیں۔ انہوں نے سیال پیالہ نما بڑے کمرے میں ڈالنا شروع کیا۔

رائل جیلی میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ شہد کی مکھیاں رائل جیلی کھاتی ہیں لیکن وہ انڈا جسے ملکہ بننے کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، اس میں رائل جیلی زیادہ مقدار میں ڈالی جاتی ہے تاکہ انڈے میں سے نکلنے والی شہد کی مکھی سائز میں سب سے بڑی، طاقت ور اور باصلاحیت ہو۔ اگر رائل جیلی نہ ڈالی جائے تو پیدا ہونے والی مکھی ملکہ نہیں بنتی۔

انڈے سے ہنی بی نکلی تو وہ تمام مکھیوں سے بڑی تھی، سو اسے ملکہ ہنی بی کا خطاب دیا گیا۔ ایک علاقہ میں ایک کا حکم چل سکتا ہے۔ اس اصول کے مطابق پہلی ملکہ نے وقت ضائع کئے بغیر نقل مکانی کا ارادہ کیا۔

اس وقت چھتے میں تقریباً ساٹھ ہزار کی تعداد میں ہنی بی تھیں۔ آدھی مکھیاں ملکہ مکھی کے ساتھ بھن بھنا کر اڑنے لگیں جب کہ باقی مکھیاں فرماں برداری کے ساتھ نئی ملکہ کے حکم کے تابع ہوگئیں۔

تقریباً تیس ہزار کی تعداد میں شہد کی مکھیوں کا غول اڑتے ہوئے ایسے لگ رہا تھا جیسے فضا سیاہ

چادر سے ڈھک گئی ہو۔ آرام کرنے کے لئے ایک درخت کا انتخاب کیا اور سب وہاں اتر گئیں۔ اس کے بعد چند کارکن مکھیاں چھتا بنانے کے لئے جگہ کی تلاش میں نکلیں تا کہ جلد از جلد رہائش کا انتظام ہو، ملکہ انڈے دے اور وہ پھولوں سے رس جمع کر کے میٹھا میٹھا شہد بنائیں۔

چند گھنٹوں بعد تین شہد کی مکھیوں نے درخت کے اوپر مکھیوں کا مخصوص رقص کرنا شروع کیا۔ ایک کا نام رس بھری، دوسری کا نام ہری بھری اور تیسری کا کا نام بُھربُھری تھا۔ تینوں نے رقص کے دوران بھن بھنا کر منتخب شدہ جگہ کا پتہ بتایا۔

درخت پر بیٹھی مکھیوں نے یہ سنا تو خوش ہوئیں۔ جب کوئی مکھی محفوظ جگہ ڈھونڈ لیتی ہے تو خوشی میں ساتھیوں کو رقص کر کے جگہ کا پتہ بتاتی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ تینوں مکھیوں نے الگ الگ جگہ تلاش کی۔ ملکہ ایک تھی — چھتا بھی ایک بننا تھا۔

حل یہ نکلا کہ درخت کی شاخ پر بیٹھی کارکن مکھیوں نے تینوں کا رقص دیکھا، غور کیا کہ کس کی جگہ زیادہ اچھی ہے۔ مکھیوں کو جس کا رقص اچھا لگا وہ اس کے ساتھ رقص میں شامل ہوتی گئیں۔

اس طرح کچھ دیر میں ہنی بی اپنی مرضی کی مکھی کی جماعت میں شامل ہوگئیں۔ ہری بھری کی حمایت میں زیادہ مکھیاں جمع ہوئی تھیں اسی لئے وہاں شور زیادہ تھا۔ طے پایا کہ جس کی تعداد زیادہ ہے، چھتا وہاں بنے گا۔

پیارے بچو! جس طرح آدمی الیکشن کے بعد اپنا وزیر منتخب کرتے ہیں — شہد کی مکھیوں میں بھی الیکشن ہوتا ہے۔

ہنی بی بہت خوش اور پر جوش تھیں کہ اب نئے گھر کا انتظام ہوگا لیکن چھتا بنانے کا مرحلہ باقی تھا۔ جن مکھیوں کی عمر دس سے بارہ دن تھی، شہد کھانے پر ان کے پیٹ میں موم بننے کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ پیٹ میں سے چپٹے بسکٹ کی صورت میں موم ظاہر ہوا تو ملکہ بہت خوش ہوئی۔ صاف شفاف موم کو جمع کیا اور منہ میں لے کر اتنا چبایا کہ موم نرم اور اس کا رنگ دودھیا مائل ہو گیا۔ اب اسے کسی بھی نقشہ میں ڈھالا جا سکتا تھا۔

ایک کارکن نے منہ سے موم چبانے کے بعد اُگلا تو دوسری نے اسے اٹھا لیا اور ایسے دیوار پر پھینکا جس طرح مزدور دیوار کو متوازن بنانے کے لئے سیمنٹ دیوار پر مار کر پلستر کرتے ہیں۔ چھتے کے

خانے گول، چوکور یا تکون بنانے کے بجائے مسدّس بنائے کیوں کہ کمرے میں چھ کونے بنانے سے جگہ ضائع نہیں ہوتی اور وزن برابر تقسیم ہوتا ہے۔

اگر آپ شہد کے چھتے میں بنے کمروں کے کونوں پر غور کریں تو اہرامِ مصر سے مماثلت نظر آتی ہے۔ جس طرح اہرام میں چیزیں خراب نہیں ہوتیں اس طرح شہد بھی سالوں سال خراب نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ اہرام میں سے شہد کے ایسے مرتبان ملے ہیں جو تین ہزار سال پرانے ہیں۔

مسدّس نما خانے بنانے سے ہر خانہ دوسرے کے ساتھ اس طرح جوڑا جاتا ہے کہ چھتے کی مضبوطی میں اضافہ ہو۔ گھر کس طرح بنانا ہے اور کن پھولوں سے رس چوسنا ہے— اللہ تعالیٰ شہد کی مکھیوں پر وحی کرتے ہیں۔

معمار بچو! شہد کے چھتے کا نقشہ بنا کر ہمیں بھیجیں اور اس کے فوائد لکھیں۔

ایک روز گرمی کی شدت سے موم پگھلنے کا خطرہ محسوس ہوا۔ کارکن مکھیوں نے فوراً ائیر کنڈیشن کا انتظام کر دیا— چھتے کے باہر بیٹھ کر مگس رانی کرنے لگیں۔ مگس رانی پنکھا جھلنے کو کہتے ہیں۔ مکھیاں اپنے پنکھ ہلاتی رہیں جس سے گرم ہوا ٹھنڈی ہو کر چھتے میں داخل ہوئی اور چھتے کا درجہ حرارت نارمل ہو کر تباہی سے محفوظ ہو گیا۔

ہنی بی کی ایک ٹیم تھک گئی تو دوسری کارکن مکھیوں کی جماعت نے ذمہ داری سنبھالی۔ بچو! اس طرح ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری نبھانے سے ہر گھر مضبوط رہتا ہے۔

کارکن مکھیاں بمشکل چھ ہفتے تک زندہ رہیں لیکن ان کے مرنے سے پہلے انڈوں سے دوسری مکھیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ شہد کی مکھیاں ایثار کا نمونہ ہیں اور تمام زندگی خدمت خلق میں گزارتی ہیں۔

چھتا بظاہر چھوٹا لیکن اندر سے اتنا بڑا تھا کہ اس میں تیس ہزار سے زائد مکھیوں کے رہنے کے لئے کمرے، شہد ذخیرہ کرنے کے لئے گودام اور انڈے رکھنے کی جگہ تھی۔ ایک روز مکھیاں شہد جمع کر کے لائیں تو دروازہ پر تعینات چوکیدار مکھیوں نے ان کی تلاشی لی۔ رس کا معائنہ کیا کہ دیکھیں رس صحیح پھولوں سے لائی ہیں یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ چھتے میں غلط شہد شامل ہو جائے۔

ایک چوکیدار نے آواز لگائی کہ فلاں مکھی کو گرفتار کرو، اس کے پاس زہریلا رس ہے۔

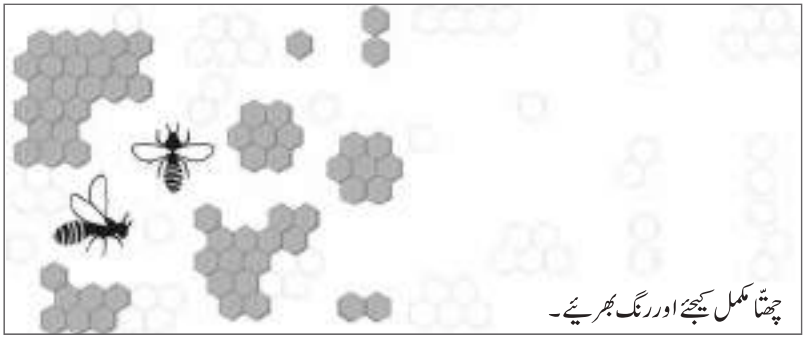

چھتا مکمل کیجئے اور رنگ بھریئے۔

چوکیدار مکھیوں کی منیجر آئی اور سزا دینے سے پہلے خود تصدیق کی۔ یقین ہونے کے بعد کہا، نافرمان مکھیوں کے بارے میں ملکہ کا حکم ہے کہ مقدمہ چلائے بغیر سزا دو۔ سپاہیو! پر توڑ کر اسے چھتے سے باہر پھینک دو۔

مجرم مکھی جانتی تھی کہ اس کے جرم کی تلافی ممکن نہیں۔ پر ٹوٹتے ہی کچھ وقت کے بعد وہ مرگئی۔

پیارے بچو! سخت سزا کیوں دی گئی—؟

شہد کی مکھیوں کو اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ جن مکھیوں کا ذہن اللہ کی طرف ہوتا ہے، وہ صحیح رس لاتی ہیں۔ اللہ سے ذہن ہٹا کر پھولوں کے رنگوں میں کھونے والی مکھی وحی قبول نہیں کرتی اور غلط رس لے آتی ہے۔ مکھیوں کی برادری میں اللہ کی طرف سے ذہن ہٹانا ناقابل معافی جرم ہے۔

بچو! ہم غلطی کیوں کرتے ہیں؟

سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، خط یا ای میل کے ذریعہ ہمیں بھیج دیں۔

گرمیوں کا موسم تھا۔ شہد کی تمام مکھیاں کام میں مصروف تھیں۔ اچانک سب کو شدید گرمی کا احساس ہوا۔ چوکیدار مکھیوں نے اطلاع دی کہ چھتے پر حملہ ہوگیا ہے، چھتا خالی کرو۔

ایک آدمی کے ہاتھ میں لکڑی تھی جس کے سرے پر آگ جل رہی تھی۔ سب نے شور مچا دیا کہ شہد چور آ گیا— شہد چور آ گیا۔

کچھ مکھیوں نے اس آدمی پر حملہ کر دیا لیکن وہ شخص اپنے آپ کو چادر میں لپیٹ کر مکمل تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ مجبوراً تمام مکھیاں چھتے سے نکل گئیں اور آدمی خوشی خوشی شہد اپنی دکان پر لے آیا۔

آدمی نے شہد نکالا اور چھتے سے حاصل ہونے

والے موم سے موم بتی بنائی۔ موم کے درمیان میں نرم دھاگے کی ڈوری ڈالی جس کا کچھ حصہ موم بتی سے باہر تھا۔ اس دھاگے کو چراغ کی بتی کہتے ہیں۔ دھاگے کے ایک سرے پر آگ جلانے سے کمرا روشن ہوگیا۔ روشنی ہر سو پھیلی، پروانے پتہ نہیں کہاں کہاں سے اڑ اڑ کر آنے لگے۔

پروانہ اڑنے والا چھوٹا کیڑا ہے۔ اسے روشنی سے محبت ہے۔ جہاں جاتا ہے روشنی کو ڈھونڈتا ہے، روشنی نظر آجائے تو پروانہ دیوانہ وار اس کے گرد رقص کرتا ہے۔ کوشش ہوتی ہے کہ روشنی میں داخل ہوکر روشنی بن جائے۔

پروانوں کے بزرگ فرماتے ہیں کہ روشنی میں کود کر روشنی بن جانا افضل ترین عبادت ہے کیوں کہ اس میں بندہ اپنے آپ کو بھول کر روشنی ہوجاتا ہے اور روشنی بن کر دوسروں کو راہ دکھاتا ہے۔

موم بتی کی روشنی پھیلی تو پروانے اس کے گرد جمع ہوتے گئے۔ ہر پروانہ دوسرے سے بے نیاز جان نثار کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ایک کرکے، موم بتی کی روشنی میں رقص کرتے ہوئے سب موم بتی پر جان نثار ہوگئے۔ پروانوں کے جلنے سے جھما کا ہوا — جھما کے سے روشنی پھیلی۔

پیارے بچو! آپ جانتے ہیں کہ اب تک آپ نے جو پڑھا وہ کیا ہے —؟ شہد کی مکھیاں باغ میں گئیں، چھتا بنایا، پھولوں سے رس چوس کر چھتے میں شہد اور موم بنایا — موم سے موم بتی بنی، موم بتی سے روشنی پھیلی اور روشنی کے گرد پروانے جمع ہوگئے، پروانوں نے روشنی کو دیکھا تو سوچا کہ زندگی وہی اچھی ہے جو روشنی بن کر گزاری جائے۔

سارے پروانے روشنی بنے اور ان کی جگہ نئے پروانے پیدا ہوگئے۔ جلنے والے پروانے روشنی سے مل کر روشنی بن گئے۔

پروانہ کی کہانی شہد کی مکھی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک مگس یعنی شہد کی مکھی کے باغ میں جانے سے پروانہ — پروانہ نہ رہا اور اس نے جان نثار کردی۔

اس پوری کہانی کو شاعر نے ایک شعر میں بیان کیا ہے:

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانہ کا ہوگا

# گھر میں برکت

لکڑ ہارا بیٹی کے ساتھ جنگل میں رہتا تھا۔لکڑیاں کاٹ کر قریبی بازار میں فروخت کرنا روز کا معمول تھا۔ اتنی اجرت مل جاتی کہ دو وقت کی روٹی اور ضروریات پوری ہوتی تھیں۔

ایک روز بیٹی نے فرمائش کی ــــ بابا اللہ کا شکر ہے ہم روزانہ اچھا کھانا کھاتے ہیں لیکن آج بادام کا حلوا کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔آپ کام سے واپس آتے ہوئے بازار سے میرے لئے حلوا لے آئیں گے ــــ؟

باپ نے شفقت سے کہا، میں اپنی بیٹی کے لئے حلوا ضرور لاؤں گا۔لیکن وہ جانتا تھا کہ روزانہ جتنی لکڑیاں کاٹتا ہے، اس سے حلوا خریدا جاسکتا ہے یا کھانا۔اس نے خود سے کہا کہ کوئی بات نہیں، میں آج زیادہ کام کروں گا۔سو وہ مہنگی لکڑی کاٹنے گھنے جنگل میں گیا۔لکڑیاں کاٹتے کاٹتے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔سورج غروب ہونے والا تھا۔ لکڑیوں کا گٹھڑ اٹھایا۔ جب تک گھر پہنچا، اندھیرا ہوگیا تھا اور بازار بند ہو چکا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹایا لیکن بیٹی نے دروازہ نہیں کھولا، انتظار کرتے کرتے وہ سوگئی تھی ۔لکڑ ہارا دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔

آواز آئی ــــ کیا بات ہے، اتنے نڈھال کیوں ہو ــــ؟ دیکھا کہ قریب ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جسے اس نے آج سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

حیران ہوا لیکن اسے ڈر نہیں لگا۔

بولا، جناب آج گھر دیر سے پہنچا ہوں، بیٹی انتظار کرتے کرتے سوگئی ہے۔خوب محنت کی اس کے باوجود بیٹی کی پسند کا کھانا نہیں لا سکا۔

اس شخص نے یہ سنا تو جیب میں سے چنے اور روٹی نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔لکڑ ہارا بھوکا تھا۔ شکریہ ادا کر کے لے لئے۔

اس شخص نے کہا،تم اچھے آدمی ہو۔میں تمہیں ایسا راز بتاتا ہوں جس پر عمل کر کے تم کمائی میں اضافہ کر سکتے ہو۔ ہدایت پر عمل نہیں کیا تو حالات خراب ہو سکتے ہیں۔لکڑ ہارا بولا ــــ میں آپ کی بات پر عمل کروں گا، بتایئے۔

وہ شخص بولا، کسی کے لئے برا نہ سوچو۔ برا خیال آئے تو اس پر توجہ نہ دو ــــ خیال آ کر گزر جائے گا۔ دوسرا یہ کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور ہر مہینہ کے آخر میں آمدنی میں سے حقوق العباد پورے کرو۔ ان ہدایات پر جو کوئی نیک نیتی سے عمل کرتا ہے اس کے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

میں اب چلتا ہوں، اللہ حافظ۔

اس سے پہلے کہ لکڑہارا کہتا کہ رات اس کے گھر میں قیام کریں، اس کی پلکیں جھپکیں، اور یہ کیا ــــ وہ شخص وہاں نہیں تھا۔ لکڑہارا گھبرا گیا کہ یہ کیا ہوا۔ فوراً کھڑا ہوا اور آس پاس دیکھا۔ آوازیں دیں لیکن وہ بندہ دور دور تک نہیں تھا۔

لکڑہارا حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

اتنے میں دروازہ کھلا، بیٹی باہر نکلی، بابا آپ کہاں رہ گئے تھے، میں کتنی پریشان ہوگئی تھی؟

وہ مسکرائے اور کہا، بس ابھی آیا ہوں۔ لکڑیاں کاٹتے ہوئے وقت کا پتہ نہیں چلا۔

اگلے روز لکڑہارا جب کام پر جانے لگا تو اسے اس شخص کی ہدایت یاد آئی، سوچا ــــ میں اتنا کما نہیں سکتا کہ حلوا خرید سکوں، کمائی میں سے دوسروں کے لئے حصہ کیسے نکالوں گا؟ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ اس نے ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا ہے اور وعدہ خلافی بری بات ہے۔ عہد کیا کہ جیسا کہا گیا ہے، اس کی تعمیل کروں گا۔

دن گزرتے گئے۔ کوشش کی کہ کسی کے بارے میں برا نہ سوچے، سچ بولے اور شکر ادا کرے۔ ذہن ہلکا رہنے لگا۔ کمائی میں سے ضرورت مندوں پر خرچ کرتا تھا جو اس سے مالی حیثیت میں کم تھے۔ اسے احساس ہوا کہ ایسے کتنے لوگ ہیں جو ایک وقت کا کھانا مشکل سے کھاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ مجھے روزانہ تین وقت کی روٹی دیتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ کبھی بھوکا نہیں سویا۔ کمائی میں سے خوشی خوشی لوگوں کا حق الگ کرتا تھا۔

نعمتوں میں اضافہ ہوا۔ حالات بدل گئے۔ اس نے نیا گھر بنایا۔ روزانہ درخت کاٹنے جنگل میں جاتا تو محسوس ہوتا تھا کہ درخت اور شاخیں پھر سے بھر گئی ہیں۔ اتنی زیادہ لکڑیاں جمع ہو جاتیں کہ انہیں اٹھانے کے لئے دوسرے لوگوں کی مدد کی ضرورت پیش آتی۔ ساتھی لکڑہارے حیران ہوتے تھے کہ اتنی لکڑیاں یہ کیسے جمع کر لیتا ہے۔

لکڑہارے نے کام بانٹنے کے لئے لڑکوں کو

مزدوری پر رکھ لیا۔ اب اسے خود اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی ۔ وہ کام کی نگرانی کرنے لگا۔ اور پھر نگرانی کے لئے ایک آدمی کو مقرر کر دیا ۔ اس طرح وہ سست ہو گیا۔ صبح دیر سے اٹھتا اور بے وقت سوتا تھا۔

بزرگ بتاتے ہیں کہ دیر سے اٹھنے سے گھر میں نحوست پھیلتی ہے ۔ رزق کی فراوانی میں اس شخص کی ہدایت بھول گیا کہ اپنی کمائی میں سے لوگوں کے لئے حصہ رکھو۔

حالات تیزی سے بدلنے لگے — ایک روز مزدور لڑکے لکڑیوں کے چھوٹے چھوٹے گٹھڑ اٹھا کر لائے۔ اتنی کم لکڑیاں اس نے زندگی میں نہیں دیکھی تھیں۔ لڑکوں کو بلایا اور پوچھا، صبح سے شام ہو گئی اور تم لوگ یہ لکڑیاں لائے ہو؟

انہوں نے کہا— درخت کاٹنے والے بہت اور درخت کم ہیں ۔ جو درخت ہیں ان کے تنے پتلے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم نہیں لا سکتے۔

وہ سچ کہہ رہے تھے۔ تھوڑے عرصہ میں لکڑہارے نے ملازموں کو نکال دیا اور خود کام پر جانے لگا۔ ایک شام تھکا ہارا جنگل سے بازار گیا۔ وہاں دیکھا کہ میاں بیوی اور دو بچے راستہ میں بیٹھے ہیں اور بھوکے ہیں۔ ہم دردی محسوس ہوئی۔

ان سے کہا، آج میں زیادہ لکڑیاں لایا ہوں ، آدھی تم لے لو اور بیچ کر گھر والوں کے کھانے کا بندوبست کرو۔ اور اگر ہمت ہو تو کل میرے پاس کام پر آجانا۔

اس آدمی نے خوش ہو کر لکڑیاں لے لیں اور بولا کہ میں کل سے کام پر آجاؤں گا۔ ان کی مدد کر کے لکڑہارے کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اس کے ساتھ ہی ذہن میں وہ شخص آ گیا جس نے اسے بتایا تھا کہ دوسروں کی مدد کرنے سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

اپنی کوتاہی پر اس نے دل ہی دل میں اللہ سے معافی مانگی اور شکریہ ادا کیا کہ اللہ نے اسے اتنے وسائل دیئے ہیں کہ وہ کسی کی مدد کر سکتا ہے۔

بازار بند ہو چکا تھا۔ سودا سلف لئے بغیر گھر واپس آیا۔ بیٹی نے باپ کو خالی ہاتھ دیکھا تو خاموش ہو گئی کہ شاید آج پھر لکڑیاں نہیں بکیں۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ پر دستک ہوئی۔ پڑوسی نے گرما گرم دال چاول اور کباب بھیجے تھے۔

# خواب تعبیر اور مشورہ

### درود شریف پڑھنے کے آداب

فہد امین، وہاڑی۔ مرشد کریم میرا ہاتھ پکڑ کر کسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں دیواریں روشنی کی بنی ہوئی ہیں۔ایک دروازہ پر مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں ، اندر جاؤ اور مزار شریف پر حاضری دو۔

**تعبیر:** اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مومن کو اپنے محبوب محمد رسول اللہؐ کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا کریں۔ ایسے مبارک خواب درود شریف کی برکت سے نظر آتے ہیں ۔ درود شریف پڑھنے کے آداب یہ ہیں کہ آدمی پاک صاف ہو، کپڑے دھلے ہوئے ہوں اور پسندیدہ خوش بو لباس پر لگائی جائے ،ایک گوشہ میں بیٹھ کر درود شریف پڑھا جائے جہاں اندھیرا ہو۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو اللہ تعالیٰ کے اسم یا حی یا قیوم کا ورد کریں۔سلام میں پہل کریں ۔اپنے لئے اور تمام بہن بھائیوں کے لئے دعا کریں۔

---

سعدیہ جنید،کینیڈا۔ **تعبیر:** ایسے خواب درود شریف کی برکت سے نظر آتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں اپنے محبوبؐ کے وسیلہ سے توفیق عطا فرماتے ہیں اور بندہ یا بندی جو بھی خلوص نیت، پختہ ارادہ اور یقین کے ساتھ پیروی کرتا ہے تو اس کے لئے روحانی علوم کے دروازے کھل جاتے ہیں ۔ روحانی علوم سے مراد رسول اللہؐ کی خدمت اقدس میں حاضری ،ان کی تعلیم پر عمل کرنا اور حاضر و ناظر اللہ کا عرفان حاصل کرنا ہے۔

### چپل نہیں ملتی

م م، ملیر۔ اکثر خوابوں میں دیکھتی ہوں کہ جب پڑھنے کے لئے جاتی ہوں تو کبھی دوپٹا یا کبھی چپل نہیں ملتی جس کی وجہ سے کلاس میں دیر سے پہنچتی ہوں۔اگر کبھی گاڑی میں بیٹھ جاؤں تو کلاس میں پہنچ نہیں پاتی۔ براہ مہربانی تعبیر فرما کر مشکور فرمائیں۔

**تعبیر:** روحانی علوم سیکھنے کا جذبہ تو ہے لیکن جذبہ پورا ہو— اس کے لوازمات نظر انداز ہوتے ہیں ۔ دماغ میں خیالات کا ہجوم رہتا ہے جس کی وجہ سے کنسنٹریشن نہیں ہوتی ۔مختصر یہ کہ آپ کا وقت بے کار باتیں سوچنے میں ضائع ہو جاتا ہے۔

### منظر کشی

نام شائع نہ کریں،اٹک۔میں کزن کے گھر میں ہوں

اور ناشتے میں کچھ دیر ہے۔کزن کی بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ دودھ ابھی آیا ہے۔کہتی ہوں کہ میں ابال دوں گی۔دیگچی میں دودھ ڈال کر چولھے پر رکھتی ہوں اور سرخ گلابوں سے بھری پلیٹ دودھ میں پلٹنا شروع کرتی ہوں۔آدھی پلیٹ کے پھول دودھ میں گرے تو خیال آیا پھولوں کی صرف پتیاں ابالی جاتی ہیں اور پتیاں الگ کرنے لگتی ہوں۔

**تعبیر:** آپ نے خواب کی جو منظر کشی کی ہے بہت اچھی کوشش ہے لیکن اس منظر کشی میں خواب کا پتہ نہیں چلتا۔اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔سیرت طیبہؐ پڑھنی چاہئے۔چلتے پھرتے یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم پڑھیں۔

---

صوفیہ اعجاز، کراچی۔ **تعبیر:** جو کیفیت آپ نے بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ الحمدللہ — اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی جانب متوجہ ہونے اور اللہ کے محبوب رسول اللہؐ کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔خواب روشن ہے اور آپ سے سب کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

## خواب کیا ہے؟

محمد خالد لانڈھی۔ **تعبیر:** خواب کے بارے میں یہ علم ہونا ضروری ہے کہ خواب بھی خیالات کی طرح انفارمیشن ہے۔انفارمیشن کا مطلب کسی چیز کے بارے میں اطلاع یا اطلاعات فراہم ہونا ہے۔ایسی باتیں جو زندگی میں نقصان دہ ہیں اور ایسے حالات جو کامیابی کی علامت ہیں، مناظر کی شکل میں وارد ہوتے ہیں۔خواب معجزاتی تحریر ہے، ایسی تحریر جس میں ماضی، حال اور مستقبل کے حالات و واقعات کا انکشاف ہوتا ہے۔خواب کے حواس کی رفتار زیادہ ہونے کی وجہ سے معنی پہنانا آسان نہیں ہے اس کے لئے روحانی علوم میں پورا ایک باب پڑھایا جاتا ہے۔جتنا یاد رہ جاتا ہے وہ لاشعور کی کیفیات شعور میں منتقل ہونا ہے۔

ہم جب پیدا ہوتے ہیں تو بچوں کو بولنا نہیں آتا۔بظاہر نظر آتا ہے ماں باپ، خاندان، قبیلہ — قبیلہ کی بول چال آہستہ آہستہ بچہ کے ذہن میں منتقل ہوتی ہے اور سنے ہوئے الفاظ حافظہ میں نقش ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پیدا ہونے والا ہر بچہ یا ہر مخلوق وہی زبان بولتی ہے جو ماں باپ بولتے ہیں۔بچے جب بولنا سیکھتے ہیں تو ماں بچہ کے سامنے دودھ کو دودو کہتی ہے۔اچھی بات اور بری باتوں کی تمیز کرواتی ہے۔بچہ وہی عادات، اخلاق و اطوار قبول کرتا ہے یا اسے منتقل ہوتے ہیں جو والدین، خاندان اور قبیلوں کے ہیں۔مادری زبان سیکھنے کے لئے بچہ کو کاغذ قلم کی ضرورت پیش نہیں آتی۔مادری زبان بچہ سیکھتا ہے تو وہی الفاظ بولتا ہے جو سنتا ہے۔کسی بات سے منع کیا جاتا ہے اور بچہ کی کسی بات سے والدین خوش ہوتے ہیں۔

کائنات میں تفکر کیا جائے تو یہ حقیقت سورج کی

طرح روشن ہے کہ ہر مخلوق میں حواس ہیں۔ حواس میں بولنا بھی شامل ہے مثلاً کویل کی کوک، کوّے کی کائیں کائیں، کبوتر کا غٹرغوں غٹرغوں، چیل کا چلانا، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ، اونٹ کا آپس میں بات کرنا، ایک دوسرے کے درد کو محسوس کرنا، امن و امان میں خوشی محسوس کرنا، زندگی کو خطرہ لاحق ہو تو ڈرنا، گھبرانا اور محفوظ رہنے کی تدبیر کرنا— یہ درختوں اور ہر مخلوق میں موجود ہے۔

حضرت سلیمانؑ کے دربار میں ہدہد کی صلاحیت کا تذکرہ— ابابیل کا باجرے کی طرح کنکر پھینکنا اور ابرہہ کے ہاتھیوں کا جسم کھایا ہوا بھس بننا— شہد کی مکھیوں کا اپنے گھر کی حفاظت کے لئے حملہ کرنا، اپنے ٹھکانوں کا گھروں کا گھونسلوں کا انتخاب کرنا— بچوں کی پرورش، بچوں کو اڑنا سکھانا، غذا کی ضرورت پوری کرنے کے لئے احتیاطی تدابیر اور اپنی حفاظت کرنے کے طریقے ماں باپ اور خاندان سکھاتے ہیں۔

آدمی چار پیروں سے چلتا ہے۔ دو ٹانگیں دو ہاتھ، چوپائے بھی چار پیروں سے چلتے ہیں۔ دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں، سانس لینے کے لئے ناک ہے، کھانا کھانے کے لئے منہ اور دانت ہیں۔ سوتے ہیں۔ جاگتے ہیں۔ خاندان، قبیلوں سے الگ نہیں ہوتے، حفاظت کے لئے تدبیر کرتے ہیں۔

بتانا یہ مقصود ہے آدمی اگر باصلاحیت ہے تو ہدہد، مکڑی شہد کی مکھی، ابابیل، بیا، دیمک، اونٹ وغیرہ وغیرہ سب میں عقل و شعور موجود ہے۔ کمی بیشی کا معاملہ ساخت کی وجہ سے ہے۔ اگر چوپائے کے ہاتھ پیروں کی ساخت، ریڑھ کی ہڈی کی ساخت آدمی جیسی ہوتی تو اپنی عقل کے مطابق وہ بھی سائنسی ایجادات کرتے۔ سردی و گرمی میں پرندے نقل مکانی کرتے ہیں اسی طرح کتا اپنی حد تک حفاظت کے فرائض انجام دیتا ہے۔

تمام آسمانی کتابوں میں تحریر ہے کہ دنیا کی ہر شے اللہ کی عبادت کرتی ہے۔ جنات اور انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ عبادت کریں یا باغی گروہ میں داخل ہوں۔ انعام و اکرام بھی ہے اور برائی کا بدلہ سزا ہے۔

دانش ور فرماتے ہیں کہ آدمی کی فضیلت یہ ہے کہ وہ ایسی چیزیں اختراع کرتا ہے جو جانور نہیں کر سکتے جب کہ آسمانی کتابوں میں جانوروں کی صلاحیتوں کا انکشاف ہے۔ غار ثور میں مکڑی کے جالے کا بننا، ابرہہ کی فوج پر ابابیل کا کنکریوں کی شکل میں بم باری کرنا، اور ہاتھیوں کا کھایا ہوا بھس بننا۔ بم چڑیا سے چھوٹی مخلوق ابابیل کے منہ میں باجرے کے برابر دانہ تھا۔ کیا ہم اس دنیا میں باجرے کے دانہ کو ایٹم کی مقداروں سے نہیں سمجھ سکتے؟

ایٹم کیا ہے۔ وہ ایک طاقت ہے اور جب طاقت ہے تو وہ مخلوق ہے۔ ایٹم کی، جس کے بارے میں یہ طے نہیں ہو سکا ہے کہ ایٹم ہے کیا، تشریحات بہت ہیں، نتیجہ واضح نہیں۔ سوچتے سوچتے آخر میں ہمیں سوالیہ نشان کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ کیا باجرے کے برابر دانہ ایٹم بم کے قائم مقام نہیں تھا؟ باجرے کا حجم اور ہاتھی کا

جسم دونوں کا کسی بھی طرح موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

## حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

زارا، ملیر۔ دیکھا کہ شوہر، امی اور کچھ لوگ موجود ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تشریف لائے۔ سب لوگ مجھے اور شوہر کو فخر سے دیکھ رہے ہیں۔ والدہ سے ایک صاحب کہتے ہیں آپ خوش رہا کریں، اللہ کامیابی عطا کرے، آمین۔

**تعبیر:** اللہ تعالیٰ غلطیوں، کوتاہیوں اور نافرمانیوں کو معاف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ استغفار اور آئندہ کے لئے ناپسندیدہ باتوں سے احتراز کریں۔ کثرت سے دن میں یا حی یا قیوم پڑھیں اور پانچ وقت نماز کی پابندی کریں۔ رات کو صاف ستھرے کپڑے پہن کر اچھی خوش بو لگائیں اور مصلّے پر بیٹھ کر درود شریف پڑھیں۔

''اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔''

(الاحزاب: ۵۶)

---

غ ع، ایف بی ایریا۔ **تعبیر:** عرض ہے کہ خواب کی الگ الگ قسمیں ہیں۔ ایک ہے سچے خواب۔ دوسرے یہ کہ خیالات شکلیں تبدیل کر کے نیند کی حالت میں نظر آئیں۔ خواب بیماریوں کی نشان دہی کرتے ہیں اور چند خوابوں میں علاج بھی شامل ہوتا ہے۔ آپ کے لئے نہایت مفید عمل یہ ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھیں چلتے پھرتے وضو بے وضو پاکی ناپاکی ہر حالت میں یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم کا شمار کئے بغیر ورد کریں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

## بلڈ پریشر

احمد نواز، اٹک۔ سیلابی نالے میں طغیانی کے باوجود اسے پار کر کے ایک قدیم مسجد پہنچا جس کی چھت موجود نہیں اور در و دیوار پرانے ہیں۔ دیوار کے دوسری طرف جھانکا تو تیز ہوا کا جھونکا آیا اور ایک اونچے ٹیلے پر پرانی حویلی کا دروازہ دیکھا۔ دروازہ سے گزر کر صحن میں پہنچا تو ایک طرف چھوٹی دیوار ہے جس کے پیچھے بغیر دروازوں کے کئی کمرے ہیں۔ صحن کے دوسری طرف ایک بڑی کڑاہی آگ پر رکھی ہے جس کے دوسری طرف کوئی عورت بیٹھی ہے۔ لکڑیوں کے ڈھیر کے پاس چھوٹا بچہ کھیل میں مصروف جب کہ وہاں کوئی مرد نہیں ہے۔ ماحول میں اداسی ہے۔ حویلی کے دوسری طرف ہوا سے خشک گھاس لہرا رہی ہے۔

**تعبیر:** بلڈ پریشر چیک کرائیں۔

---

فوزیہ عالم، فیصل آباد۔ **تعبیر:** اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ رات کو سونے سے پہلے صاف ستھرا لباس پہن کر اچھی خوش بو لگائیں اور ایک کونے میں بیٹھ کر 101 مرتبہ درود خضری پڑھیں، بات کئے بغیر سو جائیں۔ ایک نیند لینے کے بعد بات کی جا سکتی ہے۔ نماز، اسباق و

مراقبہ کی پابندی کریں۔

طلعت جاوید، لاہور۔ **تعبیر:** شادی کا مفہوم خوشی ہے۔ حضرت بی بی فاطمہؓ کی زیارت اور حضرت عباسؓ کے بارے میں خیال آنا علامت ہے کہ ماشاءاللہ آپ کو اہل بیت سے دلی محبت ہے۔ نہایت مبارک اور سعادت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور پاکؐ کی منظور نظر بیٹی حضرت فاطمہؓ کی طرز فکر عطا فرمائے، آمین۔

---

فرزانہ، ملیر۔ **تعبیر:** لباس پہننے میں احتیاط کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان مردود کے وسوسوں سے محفوظ رکھے، آمین۔ رات کو سونے سے پہلے وضو کرکے چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں اور ہلکے ہاتھ سے تین دفعہ دستک دیں۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم کا ورد کریں۔ صفائی کا خیال زیادہ رکھنا چاہئے۔

### گاڑی کھائی میں

نام شائع نہ کریں، کراچی۔ تنگ راستہ پر گاڑی ڈھلوان سے اتر رہی ہے۔ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوں اور توجہ گاڑی پر ہے کہ کھائی میں نہ گر جائے کیوں کہ ڈرائیور لاپروائی کر رہا ہے۔ ایک دو دفعہ گاڑی لڑکھڑائی، ڈرائیور کو ٹوکا مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ آخر کار گاڑی دائیں طرف کھائی میں گر گئی اور کچھ نظر


ماہنامہ قلندر شعور جولائی 2019ء

## آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام:.....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً):.....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات :.....

.....

نہیں آرہا کہ کہاں ہوں۔ڈر سے آنکھ کھلی تو خیال آیا کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔

**تعبیر:** کوئی فیصلہ ایسا ہوا ہے جس میں پریشانی کے خاکے زیادہ ہیں۔ پریشانیوں کی نشان دہی کا طریقہ یہ ہے کہ آپ خود سوچیں کہ کن خیالات کا ہجوم رہتا ہے جس میں شیطانی وسوسہ زیادہ ہے۔ ایسے خوابوں کو رویائے کاذبہ کہتے ہیں لیکن خواب دیکھنے والے کے لئے نصیحت ضرور ہوتی ہے۔ کثرت سے یاحی یاقیوم کا ورد کریں اور اپنا محاسبہ کریں۔

## پیٹھ پر سانپ

ریحانہ، کراچی۔گھر والوں کے ساتھ کہیں جانے کا ارادہ ہے۔کہتی ہوں واش روم ہو آؤں۔اندر گئی تو ایک بڑا سانپ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ میں فوراً باہر آ گئی تو سانپ بھی میرے پیچھے پیچھے آ گیا، میں رکوں تو وہ بھی رکے اور چلوں تو چلے۔اس کے بعد وہ میری پیٹھ پر چڑھ گیا اور آنکھ کھل گئی۔لیکن خواب میں مجھے ڈر نہیں لگا۔

**تعبیر:** اچھے تجربہ کار ڈاکٹر سے معائنہ کرائیں۔ خواب میں دیکھے ہوئے تصورات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بیماری ہے جو قابل علاج ہے۔تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر کو دکھائیں۔کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط ضروری ہے۔

## وسوسوں اور بری عادتوں سے نجات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے،

''شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اس کا مشن ہے کہ وہ انسان کو وسوسوں اور برائیوں میں مبتلا کر دے۔''

برائیوں اور وسوسوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے رات کے وقت اندھیرے میں بالکل تنہا بیٹھ کر ترانوے (93) مرتبہ یَاحَمِیْدُ پڑھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بری عادتوں سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔عمل کی مدت پینتالیس (45) روز ہے۔

فجر کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ یَامُحْصِیُ پڑھنے سے توکل پیدا ہوتا ہے اور مخلوق ایسے بندہ کا ادب کرتی ہے۔باریک باریک کاغذ کے ٹکڑوں پر ایک لاکھ پچیس ہزار (125000) مرتبہ یَامُحْصِیُ لکھ کر اور قینچی سے کاٹ کر آٹے کی گولیاں بنالیں اور ایسے پانی میں ڈال دیں جہاں مچھلیاں ہوں۔طبیعت میں مستقل مزاجی پیدا ہو جائے گی، احساس کم تری، غصہ اور جھنجھلاہٹ سے نجات مل جائے گی۔

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.

lavishdinerestaurant

# Lavish Dine
## Restaurant

www.lavishdinerestaurant.com

- Party up to 400 Persons
- Affordable Party Menus
- Buffet
- À la carte

Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

# Meditation of Blue Light

Meditation of blue light helps in attaining peace. It strengthens belief if practised under the supervision of a spiritual teacher. Blue light enhances creativity and is instrumental in getting rid of mental disorders, depression, inferiority complex and weak will power.

*Khawaja Shamsuddin Azeemi*

*~ Like us on Facebook ~*

*English translations of Mr. Azeemi's work available.*

https://www.facebook.com/BlueroomCanada

human culture and also of contemporary science with the passage of time. These stars would be considered responsible for natural calamities.

Their position in constellation would symbolize prosperity or poverty, good or bad luck. Schedules were created to study future. Humans even built towers in alignment with stars such as the pyramids in Egypt, Brazil and Mexico and in other monuments in England. These monuments were built in line with specific geometrical shapes in alignment with position of stars in sky . Most prominent is the alignment with polar star. The Mayan pyramids are aligned with annual duration of sunrise and sunset. Nevertheless, the scientists do not believe that they fully understand the relation underlying this alignment between stars and old civilization.

Technology has improved the observatories. In the second decade of the 20th century, an eight feet long telescope was invented consisting of highly transparent mirrors. The idea behind it was to enhance focus of lights coming from remote stars so that new stars could be made known.

The depth in observation helped improve results. It may be kept in mind that according to science, our eye sees the image of an object when light enters an eye after reflecting from that object. The clarity of the reflection of the object in the eye depends upon the amount of light that enters it.

The photo of remote celestial bodies is taken on photographic plate like celluloid film. It is important to repeat here that our eye could see only limited amount of light waves whereas photographic plates and camera could record a bit more of the waves. The observation capacity of scientists comprehends the reflective role of light while the experts of hidden knowledge believe that light plays a multifaceted role.

While explaining the role of light in seeking the knowledge of objects (*Ilm ul Ash-ya*), Qalandar Baba Auliya (RA) says,

"We see, hear, touch or understand through light. Light gives us senses. The senses which introduce us to objects have been given by light. If light is taken away, our senses would be eliminated. In that case, neither will we be in our own observation nor anything else will be in our observation"

According to the above principle, our eye sees light. But what does our eye see while observing celestial bodies? Qalandar Baba Auliya (RA) says, "The knowledge of God surrounds this Universe. Every grain of Universe is located in divine light (*Noor*) as space. The viewer does not see divine light (*Noor*) ; only space in the Universe. He calls it objects such as moon, sun, earth, sky, human, animal etc.".

(To be continued)

Fig 1

tem by the example of the city of Karachi.

Suppose at the coast there is a Sun with diameter of 36 feet whose closest satellite is located at Clifton. Earth would then be found at Cantt station at a distance 6 times more than between the Sun and the closest satellite. Mercury would be at Empress Market. Pluto the smallest satellite at 450 miles away from Clifton. This means our solar system is spread across 450 miles. In AU terms, earth from sun is 1 AU away and the last satellite Pluto 49 AU away.

In our solar system, Sun is considered as the only source of light which travels at the speed of 300,000 Km per second and it reaches earth in 8 minutes. If travel at the speed of light had been possible, we can reach the closest Sun in 4 years travelling at the speed of light. It must be kept in mind our solar system is just one of the several solar systems in Milky Way Galaxy. It is like a grain of sand on the coast of an ocean.

The closest Galaxy to Milky Way is several thousand light years away. In fact, when distances go out of the limit of traditional measures, they are estimated in infinity.

How many galaxies are there in this Universe? It cannot be estimated. Experts estimate them in millions and billions and estimate their mutual distances in several millions light years.

With our conventional understanding when we try to understand these distances, we appear to be as small as an ant trying to estimate the height of Burj al-Khalifa Tower which has an elevation of 830 metres. Like this ant, the scientists continue to estimate and map the distances among stars and depth of this Universe.

The groups of stars were mapped as lion, scorpion and other animals in the ancient times. Similarly, during dark nights the constellation of five stars is shown as a plough. Such a map is shown in figure 1. Please keep in mind plough is used in cultivation of land. The scorpion, lion and other animal shapes made to indicate stars and their links became part of

the depth of this Universe which are structurally varied. At some places matter is being produced and at some other places it is disappearing. There is light at some places, however darkness envelops some other places. Surprisingly, deducted theories and models negate earlier theories. The record of the movement of spiral galaxies, colourful debris, and murmurs in the depth of Universe has opened new avenues for research.

The dark patches which were visible among stars are now described to contain new stars, dark or bright. Around stationary stars there are mobile stars. There are huge stars devouring small stars. Constellation of small stars gather around big stars and big stars are studded in an unknown sequence around the space. There are colourful galaxies spread across the depth of this Universe in many layers.

It is estimated that only $1/10^{42}$ of the depth of this Universe is known to us. In order to understand $1/10^{42}$ imagine a cube which is 1000 trillion points long and 1000 trillion points wide and as much deep. Consider its size equivalent to our Universe. Our solar system is one of its points. One can rightly question, is this estimate correct or it's just a guess.

At the beginning of the 20th century, the scientists agreed that light was the speediest medium and it is unaffected by any power of attraction. But as technology developed, we came to know that it was possible to quantify light and that because of the power of attraction exerted by black hole, it may change its direction too. This discovery was positive for some scientists as it corroborated things which they believed and for others it brought new concerns.

According to Stephen Hawking, doubts and suspicions are the biggest enemies of knowledge, not ignorance. Collective doubt leads to great uncertainties. This uncertainty produces new avenues to gain satisfaction, create new theories and then negate them.

How did the scientists calculate $1/10^{42}$ figure? We leave it to the readers.

Astronomers too rely on statistics to determine and calculate various phenomena. But conventional measurement units might not be adequate to record these phenomena. For instance, matter is calculated in kilograms, time in seconds but matter and distance spread over a system of $10^{42}$ of diameter will require to be calculated in different units. For instance, when we walk on earth we calculate distance in meters and kilometers. Human eyesight can view as far as 450 meters. Travel on seas is recorded in nautical miles. Similarly, distance in space is measured in terms of distance between earth and sun. Earth is 93,000,000 miles away from sun. This distance will be considered as 1 Astronomical Unit (AU). How was this distance determined?

Let us understand our solar sys-

# The Universe is Light

"*We see, hear, touch or understand through light. Light gives us senses. The senses which introduce us to objects have been given by light...*"

The founder of Qalandar Shaoor, Baba Qalandar Aulia (RA) says:

"The whole Universe has a central point. Deep in this point is the hidden reservoir of lights. Powerful waves of lights continue to rise, swell and surge in this central point.

In this Universe, every moment is utilized to create new solar systems and destroy the old ones."

Explaining interaction of lights in the depth of this Universe, Qalandar Baba Aulia (RA) says, "These lights continue to expand this Universe. The movements of lights define the details of the Universe in emerging new shapes and formations."

The photos taken by telescope Hubble at the beginning of this century deeply surprised the scientists when the analysis of the photos revealed that the Universe was not as old as they believed earlier. As soon as this conclusion was made public, experts worldwide turned their telescope to the unexplored parts of Universe. They all believed that the Universe was several billion years old. There was consensus among them that most of Universe was hidden from the human eye. The explorations of Hubble seemed to have confused the scientists. The replies of many questions and several past deductions were being doubted again:

- What is the spread of this Universe?
- What portion of this Universe is concealed from human eye?
- What is the coordinating mechanism of various systems of this Universe?
- Where is the center of this Universe?

Spiritual scientist Qalandar Baba Aulia (RA) has mentioned the center of Universe in his spiritual discourses. He says that millions of circles are present in the Universe with powers both to repel and attract. Each circle has a nucleus which continues to move towards a single (central) point. From this point to the nuclei of these circles there is a link of light rays since the inception and will continue until the end.

Contrary to the claims of NASA scientists, recent disclosures indicate that this world is not very old. Question arises as to when this world was created. What would be the features of this Universe when it would reach to pinnacle of its growth.

On one hand, scientists are in doubt about their own earlier theories and on the other telescopes are indicating celestial bodies in

V

son up and said, “It has become cold. Let’s go inside.”

They went inside the room, woke up the borrower’s sons and said, “We feel cold outside. We would like to sleep here. Could you sleep outside instead?”

The sons agreed and when the night entered its last phase, and everyone was deep asleep, the owner of the house came and killed both of his sons sleeping in the courtyard.

In the morning, when he saw his sons dead, he was struck with the grave realisation of what he had done. He was in great distress, but remained silent.

He then returned the money to the boy and bid farewell to him and the elderly man.

On their way back home, they came back to the same spot where they had met.

The elderly man said, “Son! May God be with you. I will leave now. Pass on my *salam* to your father.”

The boy asked, “O’ great elder, please tell me your name?”

The elderly man replied, “Your father knows my name.”

When the son reached home and told his father of his journey, he asked who the elderly man was. Hazrat Luqman (PBUH) replied, “He was Hazrat Khizr (PBUH).”

## Oyster and Sand

There once was an oyster
whose story I'll tell
Who found that some sand
had slipped under his shell.
Just one little grain --but it
gave him much pain
For oysters have feelings
although they're quite plain.

Now did he berate the work-
ing of fate
Which had led him to such a
deplorable state?
No! He said to himself, as he
lay on the shelf,
"If I can't remove it — I'll
try to improve it."

So, the years rolled by as
years always do,
And he came to ultimate
destiny — stew!
But the small grain of sand
which had bothered him
Was a beautiful pearl all
richly aglow.

Now this tale has a moral for
isn't it grand
What an oyster can do with
a morsel of sand?
What couldn't we do — if
we'd only begin
To enrich all those things
that get under our skin.

— Author unknown

Translation: If the master of the wine house asks you to drench your prayer mat in wine, then do it. As it is knower of the path who is aware of the ups and downs of path.

So, they both fell asleep under the tree and at around midnight, a snake slithered down it. The man woke up, killed the snake, and covered it under a shield.

In the morning, doubt had entered the boy's heart about his father, as he had tried to stop him from sleeping under the tree for no apparent reason.

The enlightened, elderly man became aware of the boy's thoughts and said, "Please pick up the shield."

The boy did as he was asked and saw the dead snake under the shield. He thanked God immediately, as he was given clarity and was corrected from the doubt he had in his father.

The man said, "Son! Cut the snake's head off and keep it with you." The boy did so, and kept the snake's head in his bag.

On the second day they reached a huge city and the elderly man said, "We will stay in the city tonight."

They stayed in a lodge. The city however, had a strange tradition. The king would wed his daughter to any young man who would come to the city, and by the next morning, he would be found dead. The news of the arrival of a young man reached the king who summoned Hazrat Luqman's (PBUH) son and married him off to his daughter. When the boy was due to go to his bride to consummate his marriage, the elderly man said, "First burn the head of the snake and make sure that your wife gets fumigated."

The boy followed the advice and no harm came to him by the following morning. There was actually a poisonous wound in the womb of the woman, and it was an illness of such extremity that if a man was intimate with her, he would be infected with the poison and die. The fumes cured the sickness and the boy was alive the next day.

After a few days, both the boy and elderly man left the city, and reached the town of the borrower. The wise, elderly man told the boy, "We will stay at his house."

So, they stayed there. The borrower was not an honest man and had evil intentions. He planned to kill both of them to avoid returning the money and asked them, "Brothers, would you prefer to sleep inside or in the courtyard?"

The elderly man said, "It is warm, we will sleep outside."

They both slept in the yard as they had decided, and inside the house, the two sons of the borrower were asleep.

At midnight, the elderly man woke Hazrat Luqman's (PBUH)

speak to him and tell him about their intrinsic nature and qualities. Hazrat Luqman (PBUH) compiled this medicinal knowledge, explaining the characteristics of herbs and their uses.

An account of Hazrat Luqman (PBUH) explains that the meaning of being thankful or grateful is to use the resources God has blessed us with. It would not have been qualified as gratefulness had Hazrat Luqman (PBUH) thanked God verbally, had not used the wisdom, or had not transferred it to others.

Example: It would not be gratefulness if when you are blessed with a beautiful garment, you keep it in a closet and do not wear it. Being grateful is to wear it, get comfort from it, feel happy and thank God.

## Hazrat Khizr (PBUH)

Someone borrowed money from Hazrat Luqman (PBUH). After some time had passed, he sent a message to Hazrat Luqman (PBUH) that he was busy and that he could not find a trustworthy person to send the money through, and so he requested that Hazrat Luqman send his son to pick up the money and clear his debt.

Hazrat Luqman (PBUH) sent his son to settle the issue and gave him three pieces of advice:

- You will find a Banyan tree on the first stop – do not sleep under it.
- Do not stay in the big city that you will come across on your second stop. Go to the jungle after having a meal there.
- Do not stay at the house of the borrower. However, if you find an experienced person who is familiar with the journey, then follow his advice, even when it contradicts what I have said.

After a short journey, Hazrat Luqman's (PBUH) son met an elderly man who asked, "O' son! Where are you heading to?"

Hazrat Luqman's (PBUH) son replied, "I am travelling to collect a debt for my father."

The elderly man said, "That is good. I am travelling to the same city. It would be nice to have your company."

On the first stop, the elderly man said, "We will stay under this tree so that we are protected from dew."

The boy said, "Honourable Sir! My father advised me to not to sleep under this tree."

The man asked, "Did he say anything else too?"

The boy replied, "Yes. He told me to follow the instructions of the person I find on my way who is familiar with my path."

The man said, "You should follow me then, as I am well aware of this route."

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

follow the path of him who repenteth unto Me. Then unto Me will be your return, and I shall tell you what ye used to do."

(Quran, 31:14-15)

## The Teachings of Hazrat Luqman (PBUH)

The summary of Hazrat Luqman's (PBUH) teachings is as follows:

- O son! Before you sit in any gathering, offer *salam* (peace greetings) before joining them. Keep sitting there if the subject of their discussion is God, but if they are discussing anyone else, then stand up and walk away.
- O son! Seek help from God to keep you away from bad people, and even be cautious of the ones who are good. Do not get stuck in this world and do not immerse yourself in it because you are not born for this world.
- O son! An individual is blessed with mercy who shows mercy to others; and the one who keeps quiet is the one who remains in peace; the one who says a nice thing gets benefit from it, and the one who lies is a sinner; and the one who does not control their speech, faces embarrassment.
- O son! Go to the gathering of pious people with reverence whenever you get a chance. Listen to them quietly and attentively because the *noor* (divine light) of God in them enlightens hearts just like the dead earth comes back to life after the rain.

In the Quran, it says:

"And (remember) when Luqman said unto his son, when he was exhorting him: O my dear son! Ascribe no partners unto God. Lo! to ascribe partners (unto Him) is a tremendous wrong."

(Quran, 31:13)

"O mankind! Keep your duty to your Lord and fear a Day when the parent will not be able to avail the child in aught, nor the child to avail the parent." (Quran, 31:33)

"And verily We gave Luqman wisdom, saying: Give thanks unto God; and whosoever giveth thanks, he giveth thanks for (the good of) his soul. And whosoever refuseth Lo! God is Absolute, Owner of Praise." (Quran, 31:12)

"And We have enjoined upon man concerning his parents."

(Quran, 31:14)

## The Meaning of Gratefulness is to 'Use' the Blessing

The teachings of Hazrat Luqman (PBUH) suggest that he was blessed by God with the knowledge that prophets were blessed with.

He lived for 1000 years and it is said that God had blessed him with the special knowledge to know the specialities of herbs. The herbs themselves used to

# Hazrat Luqman(PBUH)

*He lived for 1000 years and it is said that God had blessed him with the special knowledge to know the specialities of herbs. The herbs themselves used to speak to him and tell him about their intrinsic nature and qualities.*

## Advice

And verily We gave Luqman wisdom, saying: Give thanks unto God; and whosoever giveth thanks, he giveth thanks for (the good of) his soul. And whosoever refuseth Lo! God is Absolute, Owner of Praise. And (remember) when Luqman said unto his son, when he was exhorting him: O my dear son! Ascribe no partners unto God. Lo! to ascribe partners (unto Him) is a tremendous wrong."

(Quran, 31:12-13)

"O my dear son! Lo! though it be but the weight of a grain of mustard seed, and though it be in a rock, or in the heavens, or in the earth, God will bring it forth. God is Subtile, Aware. O my dear son! Establish worship and enjoin kindness and forbid iniquity, and persevere whatever may befall thee. Lo! that is of the steadfast heart of things. Turn not thy cheek in scorn toward folk, nor walk with pertness in the land. Lo! God loveth not each braggart boaster. Be modest in thy bearing and subdue thy voice. Lo! in harshest of all voices is the voice of the ass." (Quran, 31:16-19)

Hazrat Luqman (PBUH) was a pious and wise person who had prophetic qualities. A chapter of the holy Quran, 'Luqman', is named after him. There is a difference of opinion about his era and of his status in history. As per some historians, Hazrat Luqman (PBUH) was a king of Yemen and belonged to the nation of Aad. However, it is widely accepted that he was an African and belonged to a tribe in Sudan.

Some historians have mentioned him as a judge during the times of Prophet David (PBUH). There is evidence of the existence of a collection of his sayings under the title of '*Saheefa-e-Luqman*' during Prophet Muhammad's (PBUH) era. The holy Quran has described Hazrat Luqman (PBUH) as a person with wisdom and a believer in the Oneness of God.

"And verily We gave Luqman wisdom, saying: Give thanks unto God." (Quran, 31:12)

"And We have enjoined upon man concerning his parents. His mother beareth him in weakness upon weakness, and his weaning is in two years. Give thanks unto Me and unto thy parents. Unto Me is the journeying. But if they strive with thee to make thee ascribe unto Me as partner that of which thou hast no knowledge, then obey them not. Consort with them in the world kindly, and

ماہنامہ

# روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

other disciples, "Do you now understand why Baha al-Din is given successorship?"

They were all quiet.

Then Hazrat Shahab al-Din Umar Suhrawardi (RA) disclosed a secret, "It is incumbent upon a disciple to not disagree with the decision of the master, and they should keep their heart and mind clean from doubts. Friends! You are all like a piece of wet wood that does not catch fire instantly. It requires enough effort to even burn it. But Baha al-Din is like dry wood that caught fire in a single blow, and the love of God has engulfed him."

He then advised and warned them, "Nothing happens without the Will of God. It is God's will that Baha al-Din is now my successor. Whoever keeps their hearts free of wrong intentions will be blessed in both worlds, and those who pollute their hearts and minds with jealousy and doubts will not cause harm to anyone, but will ruin their own lives, here and in the hereafter."

❁ ❁ ❁

In the book '*Awarif al-Maarif*', Hazrat Shahab al-Din (RA) talks about the status of God's friends:

"They are present in this world with their physical bodies but their hearts are away from worldly affairs, their souls are revolving around the throne of God, and their hearts are brimming with good deeds. Due to being in the service of God, they are in peace even when surrounded by darkness. They seek pleasure in praying and recitation of the Quran rather than seeking it in the transitory world. Their faces mirror the purity of their hearts and the fact that they are cognisant of God. In all times, such scholars have invited people towards the truth and they themselves have attained this position by following the righteous. They are the leaders of those who practise piety, their deeds have great impressions on the masses, and the east and west are blessed and illumined with their light."

❁ ❁ ❁

The following are translations of two couplets from Hazrat Shahab al-Din Umar Suhrawardi (RA):

"See the disturbance there in the world. People entangled in profit and loss. It is better to stay in isolation, than being trapped in this world so lost."

"I am in awe and in wonder after seeing you. I am in pursuit of your love. When I am with you, composure is difficult, and when away, distress riddles me. I come alone… I am in your quest."

Hazrat Shahab al-Din Umar Suhrawardi (RA) lived for 93 years and passed away on 1st *Muharam*, 632 Hijri. His shrine is in Baghdad.

❁ ❁ ❁

and so only discussed it with each other, “We have been in the school, desiring knowledge for years, but still we are empty handed. This person was blessed with spiritual knowledge in such a short time, even though he was not tested or had to go under any spiritual exercises”.

In the morning, Hazrat Shahab al-Din Umar Suhrawardi (RA) asked all of his close disciples and Hazrat Zakariya Multani (RA) to come to his room. He asked for some pigeons and distributed them among his disciples when they arrived and said, “Sacrifice them where no one is watching you and return to me.”

The disciples slaughtered the pigeons at spots where they believed no one was watching them and returned to the sheikh. However, Hazrat Baha al-Din Zakariya Multani (RA) did not return. Everyone was waiting for him and when he finally arrived, he had a pigeon in his hand that was still alive. The other disciples were very happy internally that he had not complied to the sheikh’s command.

Then Hazrat Shahab al-Din Umar Suhrawardi (RA) asked everyone, “Did you all sacrifice the birds as per the instruction?” All of the main disciples said, “Indeed. We cannot imagine disobeying our spiritual master.”

Then Sheikh Shahab al-Din Umar Suhrawardi (RA) said, “Baha al-Din! Why did you not sacrifice your pigeon and why has it taken you so long to return?”

He replied, “Sir! I could not find a spot where I was alone. Wherever I went, I found God present there.”

“What you’ve just said is true,” Sheikh Shahab al-Din (RA) said, and then he turned to the rest of his disciples, “And you all so easily found a spot where no one was watching you?” They bowed their heads in embarrassment.

Hazrat Shahab al-Din (RA) then gave another order, “All of you go to the jungle and cut some grass as per your share and bring it back.” The disciples now realised that they were under another test, so they all went and returned with bundles of green grass, however, Hazrat Baha al-Din Zakariya (RA) brought dry grass.

The Sheikh asked the other disciples, “Why did you bring the green grass?”

They replied, “It looks pleasant to the eyes; therefore, we have brought a beautiful thing for you.”

He then said, “Baha al-Din! Why did you bring the dry grass?”

He replied, “Sir! There was no shortage of green grass in the jungle but, wherever I went, I saw them busy in the remembrance of God. It did not feel right to deprive them of such a pious act. Since the dry grass was already dead, I brought that instead.”

When the Sheikh (RA) heard this, he smiled and said to the

them to God. Therefore, the words of the sheikh are true, and are said for the Truth. The disciple must not wish for a status higher than their master, and should wish that their master is blessed with much higher statuses. In this way, the disciple gets more than what they had wished for."

Along with serving the creations of God, Hazrat Shahab al-Din Suhrawardi (RA) continued to write books. One of his books '*Awarif Al-Maarif*' has had a lot of recognition.

People once asked Hazrat Saad al-Din Hamwi (RA) how they found Sheikh Mohy al-Din Ibn Arabi (RA). He replied, "He is a raging sea."

"And what about Hazrat Shahab al-Din (RA)?" they asked, and he replied, "The divine light of obedience for Prophet Muhammad (PBUH) apparent on his forehead is extraordinary."

❁ ❁ ❁

Hazrat Gaisu Daraz Syed Muhammad Husaini (RA) has mentioned in his writings,

"During the time of Hazrat Shahab al-Din Suhrawardi (RA), there was severe flooding in the river Tigris. Towns were destroyed, many lives were lost and properties were damaged. People requested that he pray for them. The Sheikh (RA) asked his helper to take a weapon, strike it on Tigris and say, 'Return to your normal state'.

Many people went along with the helper to see how the wonder working worked. As soon as he struck the river and delivered the sheikh's order, the river quelled and went back to its normal state.

❁ ❁ ❁

Every spiritual teacher is in search of a disciple to whom they can transfer the spiritual knowledge that they possess – they look for a disciple who may protect the knowledge, devote their life in serving His creations and spread spiritual knowledge to people.

A name that is well known among the searchers for the True path is Hazrat Baha al-Din Zakariya Multani (RA). He reached the *khanqah* of Hazrat Shahab al-Din (RA) when he was in search of a *kamil murshid* (a perfect teacher). He bowed with reverence as soon as he saw him, and requested that he be taken as a spiritual student.

Hazrat Shahab al-Din Suhrawardi (RA) hugged him and said, "It was not only you… I was also waiting for you". He then accepted him as his student and Sheikh Baha al-Din Zakariya Multani (RA) stayed with his spiritual master for some time, and was even blessed with knowledge of the Unseen.

The other disciples could not take the fact that someone who came after them, and had only stayed for a few days was blessed while they still waited. They did not have the courage to speak their mind before their master,

you saw is true. This is a blessing of Ghaus al-Azam Sheikh Abdul Qadir Jilani (RA) who blessed me during a meeting."

Once, Sheikh Nazim (RA) visited Sheikh Shahab al-Din (RA). Sheikh Shahab (RA) asked him to read any couplet from Ibn-e-Faridh. When the following couplet was read out, Sheikh Shahab al-Din (RA) became ecstatic:

Translation:

"Good news for me, though I was not eligible. The bearer of the good news had said, 'Glad tidings to you, for God has removed all of your worries regardless of your past, for your name was discussed in the court of Prophet Muhammad (PBUH).'"

Hazrat Shahab al-Din Umar (RA) used to receive thousands of Dinars in donations at his *khanqah*, but he would distribute all of it in the path of God.

Baba Fareed Shakar Gunj (RA) said, "I spent a couple of days at the *khanqah* of the Sheikh Shahab al-Din (RA). He would receive roughly 10,000 Dinars every day, and none of it would remain by the evening. He would distribute it all among the needy. Sheikh Shahab (RA) used to say, 'The donor gave it for the cause of God, and hence God's creations have all rights over it. God is my Provider, and I trust Him.'"

❁ ❁ ❁

Wherever Sheikh Shahab al-Din Umar (RA) was present, it would become crowded by people who sought knowledge, and those who were destitute. The people were blessed with the treasures of knowledge and love and ecstasy.

During one gathering, he answered a question by saying, "Serving people is better than making optional prayers. The purpose for which the student is prepared is a unique status, and is a blessing itself. Some students are successful in attaining the goal, and others are not. Those who fail are the ones whose intentions are not pure. A student who loves wholeheartedly does not give in to the demands of the ego and remains consistent in the path of God."

In reply to another question, Sheikh Shahab al-Din Umar (RA) said, "Looking for reasons and to question everything is the method of the layman. A person who is close to God waits for His command, and follows it without questioning. When this happens, the door to blessings opens up."

❁ ❁ ❁

Somebody asked how a disciple should be obedient to his master. He replied, "A disciple must keep quiet in the presence of his spiritual master. He should only speak when the sheikh asks them to speak. The sheikh wants their students to pay attention, and understand and trust their words.

The example of words is analogous to a seed. If the seed is not of good quality, it does not grow, and it is the ego that spoils words. The sheikh cleanses the student from this deficiency and hands

boy, “O’ Umar! What books have you learnt?”

Shahab al-Din Umar (RA) replied, relaying the books he had read. Ghaus Pak (RA) placed his hand on his chest, causing the colour on his countenance to change, and there was suddenly an immense change in his feelings. Ghaus Pak (RA) told him, “O’ Umar! You are amongst the last of the Iraq’s renowned Sufis.”

❁ ❁ ❁

In the year 539 Hijri, Sheikh Shahab al-Din Umar (RA) was born in the town Suhraward, which was located in the suburbs of Zanjan. His uncle Zia al-Din Abu Najeeb Suhrawardi (RA) was a well-known Sufi, who took him under his supervision when he saw the light in him, and that he also had obedience for Prophet Muhammad (PBUH) in his heart. He made sure to provide his nephew with an environment that would help him in his spiritual growth.

The spiritual training of Sheikh Shahab al-Din Umar (RA) commenced, and he went through many spiritual exercises. When he sought spiritual knowledge, an entire era was blessed because of him. Apart from his uncle, he was also blessed by Abu Muhammad Abdullah Basri (RA) and Abu Madyan Maghrebi (RA). Like any other friend of God, he too lived his life like an ordinary person. People would ask him many questions and would seek guidance in the matters of knowledge.

Once a person asked him, “When I don’t adhere to the lawful orders, imprudence and carelessness take over me. But if I do, I feel arrogant. How can I come out of this situation?”

Sheikh Shahab al-Din Umar (RA) replied, “Keep following the commands and seek refuge in God from arrogance.”

Once Sheikh Shahab al-Din Umar (RA) went to Makkah with his spiritual mentor. During the prayers, Hazrat Khizr (PBUH) came to visit him, but he did not notice, and so Hazrat Khizr (RA) left. When he came to know of the fact that Hazrat Khizr (PBUH) has come to visit him, he said, “In the search of Truth, a person becomes unaware of their surroundings. If one thinks of anything else except God, then it is tantamount to adulteration in love.”

After the demise of Sheikh Zia al-Din (RA), Sheikh Shahab al-Din Umar (RA) took charge as his successor. He is also known as Sheikh al-Shuyukh (the teacher of all teachers).

A disciple of Sheikh Shahab al-Din Umar (RA), named Sheikh Najam al-Din (RA), has said, “On the 40th day of a spiritual exercise, I had a vision and saw that the spiritual master was sitting on a huge mountain with piles of jewels before him. People were gathered in the valley and the Sheikh threw those jewels and pearls towards them.” The student then narrated the experience to his master.

The master replied, “Whatever

# The Door to Blessings

*"...Whoever keeps their hearts free of wrong intentions will be blessed in both worlds, and those who pollute their hearts and minds with jealousy and doubts will not cause harm to anyone, but will ruin their own lives, here and in the hereafter."*

Sheikh Zia al-Din Abu Najeeb Suhrawardi (RA) was once passing through a market with his nephew when a goat's meat at a butchers' shop caught his attention. He stopped and told the butcher, "The goat is complaining that it was butchered through an unlawful process, and hence the meat is not *halal* (lawful)."

The thought of being caught for his wrong doing scared the butcher so much that he passed out. When he eventually regained consciousness, he admitted that he had not properly cut the goat. He repented for his actions and promised to follow the correct method in the future.

At a short distance, Sheikh Zia al-Din (RA) saw one of his followers who was sitting in the wrong company. The student stepped forward to greet his master as he saw him. Sheikh Zia al-Din (RA) said, "It is better to be alone than to sit in bad company, and it is better to be with a good friend than be alone. Prophet Muhammad (PBUH) says, 'A man is upon the religion of his friend, so let one of you look at whom he befriends'."

After advising his student to be cautious, Sheikh Zia al-Din (RA) moved ahead and spoke to his nephew, "Umar! No one decreases anyone else's value; everyone does it to themselves."

The nephew asked, "How did you figure out that the *Takbir* (prayer before sacrificing an animal) was not said before the butcher slaughtered the goat?"

Sheikh Zia al-Din replied, "Son! Some secrets are not exposed before their time. When the right time comes, you will know them automatically, and that will happen once you have cognition of God."

There was a *khanqah (Sufi school)* at a short distance from the market. Once, they were walking close to it when Sheikh Zia al-Din (RA) advised his nephew, "This is the *khanqah* of Ghaus Pak (RA). He has a high stature among the friends of God, therefore, be very cautious of your etiquettes when you go before him. Now come, let us visit him and seek his blessings."

Ghaus Pak Sheikh Abdul Qadir Jilani (RA) sat in his *khanqah*. He asked Sheikh Zia al-Din (RA) and his nephew to come forward. Sheikh Zia al-Din (RA) said, "Sir, this is my nephew Shahab al-Din Umar and he has an interest in *Ilm al-Qalam* (knowledge of the Pen)." Ghaus Pak (RA) asked the

tain of the meeting with your Lord." (Quran, 13:2)

Creator and Artist are the attributes of God. God creates shapes and features inside a mother's womb as He wills. He gives a girl or a boy to whom He wills and He blesses both to whom He wills.

Life is driven by thought and the Creator of thought is God. The process of thought is functional during both sleep and wakefulness states. If life exists on possibilities, then why is it impossible to function without receiving a thought?

Dear readers! Think… is there anything that we can do without the occurrence of a thought?

Random theory is used for cases where there are many possibilities of occurrences but only one of them occurs. But it does not tell us why and how that one occurrence took place. This theory is based on assumption while life is based on a true knowledge that is beyond assumptions.

God says, "And they have no knowledge thereof. They follow but a guess, and lo! a guess can never take the place of the truth." (Quran, 53:28)

*Life swirled me into existence;*
*While death escorted me away.*
*Of my own accord I did not arrive;*
*Nor will I be ushered out with a say.*

## Sayings of Hazrat Bashar Hafi (RA)

- Flowing water remains clean, whereas still water becomes dirty and turns murky.
- Whoever wants respect must avoid doing these things:
- Begging from the creations of God.
- Finding shortcomings or deficiencies in others.
- Showing off in this world as it deprives one from the fruits of the hereafter.
- Three actions are difficult:
- Generosity in poverty
- Honesty in fear
- Protection in privacy
- Patience and the cognition of God are great blessings.
- *Taqwa* (piousness) is to be free from all types of doubts and to keep self-assessing.
- Offer *Salam* (peace greetings) to others but do not expect *Salam* in response.
- Whatever you do, do it for God.

the white water not move back? When a ship crosses over their meeting point in a straight line, the waves and droplets of water fall back into their respective waters. They return to their waters, if they cross the line.

When the nature of water is to flow and absorb, who is it that made divisions between these waters and provided consciousness to the sea?

"He hath loosed the two seas. They meet. There is a barrier between them. They encroach not." (Quran, 55:19-20)

Nothing happens due to coincidence or by itself. No child is born all by themselves. There is a certain process that leads to birth. In some cases, despite good health, there are couples that are unable to have children. Why is it so?

Because there is someone who plans everything!

Material scientists say that the Big Bang is responsible for the creation of the universe. Who caused the Big Bang to occur? They say, it is due to 'Nature'. But what is this 'Nature'? They have no answer for it. When the creation of a child is not in the hands of the parents; and when a gardener can only sow seeds but the growth of trees and the taste of fruits is out of his command, how can the universe be created on its own?

It is stated in the Quran:

"All that is in the heavens and the earth glorifieth God and He is the Mighty, the Wise. His is the Sovereignty of the heavens and the earth; He quickeneth and He giveth death; and He is Able to do things. He is the First and the Last, and the Outward and the Inward; and He is Knower of all things. He it is Who created the heavens and the earth in six days; then He mounted the Throne. He knoweth all that entereth the earth and all that emergeth therefrom and all that cometh down from the sky and all that ascendeth therein; and He is with you wheresoever ye may be. And God is Seer of what ye do. His is the Sovereignty of the heavens and the earth and, unto God all things are brought back." (Quran, 57:1-5)

God's planning is so enormous that it is not possible to understand it with a material mind. Researchers say that the creation of the universe is just a coincidence, but this is not true. It is functioning systematically under a disciplined system, with principles and codes. For example, why does the sky not fall upon us as even though it has no pillars to hold it up? Who has held it from falling? Has it ever occurred in history, where the sky has fallen on to some place on Earth?

"God it is Who raised up the heavens without visible supports, then mounted the Throne, and compelled the sun and the moon to be of service, each runneth unto an appointed term; He ordereth the course; He detaileth the revelations, that haply ye may be cer-

nine months. Who supplies nourishment to the child and how does it happen? Who decides the physiognomy with regards to the shape of the nose, lips, eye colour, etc.? There are two eyes on a face, but why is there not any eyes on the back of the head? Why is this so? Why do our eyes not replace our ears and vice versa? Who decided where the lips and the forehead should be? Why do the placement of body parts for creations not change and why do children born from the same parents not look alike? Despite having been born identical twins, why is there a slight different between the two?

According to modern research, it is due to genetics. A gene is a unit of chromosome which is transferred to children from their parents. Even if it is accepted that it is due to genes, we forget that every possibility exists within a gene; who decides the final features then?

At this point as well, science makes unsuccessful attempts to answer these questions with the help of probability and random theory. Researchers say that the X chromosome comes from the mother and the X or Y chromosome comes from the father. In result a XX female or XY male is born. It is said that the chromosome of the father decides the gender of the child. But who decides whether the X chromosome will come from the father or the Y?

Water flows from high to low through specific stream paths. Who decides these routes for water to flow? Why does water take a specific course when all lands are high and low? For example, when the Indus river flows from high altitudes towards the planes, it takes a specific route, enters the province of Sindh, and flows into the Arabian sea. Rather than entering Sindh, why does it not change its direction and travel towards Balochistan? Who has defined the route for the river, and who directs its water? This line of questioning applies to all rivers, seas, clouds, winds and more across the world.

Houses and roads are built in across plains. Why are houses not built in the place of roads and vice versa? Can we ever say that construction is undergoing without any planning as the ‘random theory’ suggests? One must note that towns and cities are planned before construction and construction occurs according to a map. Thus, the role of the planner holds a key position here.

---

There are many places where two oceans and two rivers meet, but they do not mix. Why do they not mix with each other despite meeting at a point? The strait of Gibraltar links the Pacific Ocean with the Mediterranean Sea but despite entering into each other, they do not intermix. Why? Because they have different attributes. The water of one sea is black and the other is white. Why does the black water not transgress from its boundary, and why does

percent possibility of the occurrence of every event. If there is an event where there is no possibility it can occur, then its probability is considered as zero. For example, there is a probability of 1/12 for a month to have 28 days, as February is the only month with 28 days. Also, the probability of a month with 32 days is zero.

Muse over different aspects of life, keeping in mind the concept of probability and coincidence. The findings compel one to think that on what foundation the system of the universe is intact. Why do all those who own a car not come on to roads all at the same time? Or why does everyone not feel thirsty at the same moment? Why is it that everyone feels thirsty during hot weather but their timings as to when the thirst hits them differs? Why do their timings not coincide? While driving a car or motorbike, sometimes it is seen that on crossroads, a car appears without horning or a child runs out on to the street. May God protect everyone, but these incidents propel one to think about what would happen if there was even a second's difference in timing – would we not have met an accident? Who kept this minute difference in time?

When water evaporates and forms clouds, why do they fall in specific locations? Why do they not shower rain in all of the areas they cross? Why does a certain idea come to mind at a specific time? Why does the thought to drink water not come prior to feeling thirsty? When a woman conceives, a baby boy or girl is given to her. What is conceiving and what is that agency that defines the gender of the child?

Under which mechanics are these countless examples around us functioning? To understand this system, science is looking to 'random theory' and the 'theory of probability', but they have not achieved success.

One can certainly unearth the answers to these questions, provided they think neutrally. Neutral thinking determines that nothing can be created on its own, but there is a driving force behind everything…there is a Creator. What is the purpose behind the creation of the universe and Who has created it? The paths leading to the answers will open up if one focuses their attention towards the source of all things – the Creator.

"As for those who strive in Us, We surely guide them to Our paths, and lo! God is with the good." (Quran, 29:69)

"And those who are of sound instruction say: We believe therein; the whole is from our Lord; but only men of understanding really heed." (Quran, 3:7)

"He is God, other than whom there is no other God, the Knower of the invisible and the visible. He is the Beneficent, the Merciful." (Quran, 59:22)

The growth of a child takes place in the womb of a mother for

# A Roll of Dice

*Can we ever say that construction is undergoing without any planning as the 'random theory' suggests? One must note that towns and cities are planned before construction and construction occurs according to a map. Thus, the role of the planner holds a key position here.*

The Quran is a source of knowledge and its every word requires contemplation. To muse over things in our surroundings, to hear and sense them and be attentive towards them, is all contemplation. In the study of spirituality, it is called *Ana. Ana* are those currents that are present in infinity at all times. Spatiotemporal distances do not exist for them. The word *Ana* is also used in Urdu language, but it has a different connotation i.e. ego. One must try to look within, in their surroundings, and in the unfolding of circumstances so that one may know the reality that is imminent within objects.

Regarding traversing the path of contemplation, the famous poet Allama Iqbal (RA) says,

Translation:

Love flew away, and the consciousness stung him like a snake. He failed to overpower the mind to enable his vision. He traversed the trajectories of the stars, yet could not travel within his world of thoughts. He could not distinguish between the good and the evil and remained entangled in the snare of his sense. He managed to store the rays of the sun, yet failed to brighten his ignorant world.

Dice are used in certain board games. When playing these games however, have you ever given thought to how when it is thrown, the number that appears on top can be different, whether that be one, two, three or six?

According to the theory of probability, there is a one out of six chance for every number to appear when a dice is rolled. In other words, there is a 16.67% chance of any number from 1 to 6 to appear. If we think about this in an open-minded way, we can see that this theory is an attempt to hide the weaknesses in the scientific approach. There is no method through which one can tell exactly what number is going to appear. Readers of this article can experiment themselves and see what happens. It is not necessary that each number will appear just once. For example, if a person rolls a dice six times, it is possible that the number 6 will appear 3/6 (three out of six) times. But the probability theory says that the chance of number six is only once (1/6). If readers do not think this is the case, please contemplate the matter and inform "Qalandar Shaoor Monthly" about your thoughts.

The principle of probability is based on a mathematical model that states that there is a hundred

Messenger of God, peace and blessings be upon him, said, "Verily, when the servant commits a sin a black spot appears upon his heart. If he abandons the sin, seeks forgiveness, and repents, then his heart will be polished. If he returns to the sin, the blackness will be increased until it overcomes his heart."

It is the covering that God has mentioned as, "Nay, but that which they have earned is rust upon their hearts." (Quran, 83:14)

The Prophet (PBUH) further elaborates,

"Indeed in the body there is a lump of flesh, if it is good, the entire body will be good, and if it is corrupted, the entire body becomes corrupted, and that is the heart." (Sahih Muslim)

It became very clear to me that only a heart that is free from sin and is quick to adopt repentance and forgiveness will truly *see*.

Seeing is the function of the physical eye; whilst, vision is the function of the heart.

*My eyes embrace the flame of the oil lamp,*

*And explore the exuberant colours within the light.*

*While my heart embraces the darkness underneath,*

*And explores the hidden realms within it.*

Let us suppose that our mind is a spacious and a well ventilated room. There is a charpoy there with comfortable bedding over it. Apart from it, there is a fan to relieve us from heat, and a small desk with a few basic things of need placed upon it. An individual sleeps there and wakes up in the morning.

On the contrary, there is a room with a bed, desk, chair, fan, a huge carpet with a small beautiful carpet laid over it, a few pillows, radio, TV, DVD player, phone, cupboard with clothes and jewellery in it, a few pairs of shoes, money, a small fridge, clock, and finally a family portrait hanging on the wall. It is your room where you sleep.

What have you understood from this?

An individual sleeps in an empty room, while another sleeps among more than a dozen objects. When one sleeps, apparently, items in the surroundings are not visible to the eyes, but their reflections do fall upon the mind.

When there are too many things in a room, one sees disturbed dreams. But when unnecessary objects are not in the room, no reflection falls upon the mind and thus, the mind remains light and the person will sleep soundly.

— Excerpt translated from the book *Aagahi*.

tly poured out a drop on a glass table before me. The day was bright and there was a large window just next to the table. At first, I saw the drop of water as a drop of water. Then as I started focusing on it, I saw an entire world in the drop of water.

You may think that I am exaggerating heavily. How can an entire world exist in a drop of water? But it was true. The drop of water was reflecting the world around it within itself. I also saw particles of dust moving in sync with the energies of the water. At one point, I saw the drop of water reflecting light in the brightest form inside it. And when I focused on this light, it simply seemed to wipe clear all other reflections in the water. I began to think that the drop of water is what my vision defines. And that my vision is defined by where my awareness is focused.

Was my world not like the drop of water I focused on? When I focus on the world reflected within the drop of water, I miss the splendour of the massive reality that spreads outside of it. Suddenly, the concept of vision elaborated by the Spiritual Scholar, Khwaja Shams al-Din Azeemi, flashed through my mind. It is true that the unseen is not the unseen but merely what has gone unobserved. Everything can be seen provided we activate the sight that can see that dimension of existence.

Then I began to wonder, is vision limited to only what we can see with our open eyes? Are what we see in our dreams and through the process of meditation not also referred to as 'visions'.

The visions we see in our dreams or meditation will be dependent on interpretation unless we learn the art of gradually acquainting our limited vision with the unlimited realm, and bringing what we see into our experience. This is in the same method by which we bring what we see with our physical eyes into our experience of life.

But what was the difference between seeing with open and closed eyes? By what method do I see in my dreams and meditation? The essence of the teachings of our beloved Spiritual Master and Scholar echoed in my mind. The inner eye with which we see in our subconscious state of mind is the sight of the heart. This inner sight helps us free ourselves from the grip of time and space and see beyond dimensional existence. But then, where there is sight, there is also blindness. I read the verse of the Holy Quran, which said,

"For indeed it is not the eyes that grow blind, but it is the hearts, which are within the bosoms, that grow blind."

(Quran, 22:46)

I began to wonder what it is that inflicted man with the blindness of the heart? As I researched, I read the following hadith:

Abu Huraira reported: The

possessions. One would find a mat or a cot at maximum as utility. The walls were often bare. There were less or no objects that could hold your attention for long. Similar is the case for places of prayer that are vast and empty – they instantly render your mind to a blank and focused state.

A mind that is constantly surrounded by objects grapples to be free from the over influx of impressions upon it. This is because by nature, the mind is designed to absorb whatever it sees around it. And immediately thereafter, it begins to process everything it has seen, interprets them and stores them as experiences.

When one frees one's self from the grip of having to view these objects, the mind is naturally free from the absorption of clutter around it and slips easily into states of one point focus and contemplation.

To elaborate on the above, I recall an incident in my life. I was with a group of friends and we were trying to see the outlines of our aura. When we stood between the colourful objects in the room, we lost ourselves among them and could trace nothing beyond the outline of our physical bodies. But when we put ourselves against a plain white wall and focused on the outline of each other, we could indeed see a faint hallow of light around us all. We later took pictures with an aura camera and were amused to see the hue of colours that surrounded us.

If what we see and absorb can have such an impact on our minds, is it not pertinent to know what vision is? Is vision limited to what we see?

If vision was limited to what one sees then its definition would change from person to person as per their abilities of sight. For example, the definition of vision for a person who is blind would be darkness. For a person who is colour blind, the definition of vision would be limited to the colours they can see.

Similarly, for the one who is short sighted, as they cannot see beyond a few metres, the definition of vision would be limited to a certain distance. But is seeing the same as vision?

I looked up the meaning of vision and stumbled upon the following:

"Vision is the state of being able to see."

So vision is not merely seeing, it is a state of being while one is observing something.

In other words, vision is one's state of being. And one's state of being is their state of awareness. Therefore, it is safe to conclude that one's vision is only as much as their awareness. When one lives in limited awareness, they live envisioning everything in the same limited perspective. But when one is able to behold what lies beyond what they can see, their periphery of vision expands.

I took a bottle of water and gen-

# Vision

*At first, I saw the drop of water as a drop of water. Then as I started focusing on it, I saw an entire world in the drop of water. You may think that I am exaggerating heavily. How can an entire world exist in a drop of water? But it was true.*

When a baby is born, though they can detect light and motion, they are mostly peering up at you and the world around them through blurry eyes. They focus best on the objects that are between eight to ten inches away from their face and as they grow beyond the age of three months, they show signs of beginning to build cognition, and start distinguishing between colours.

Similarly, on the other end of the spectrum of human age, when one is between 40-60 years of age, it is seen that their vision begins to deteriorate and gets blurry too.

It is interesting to note that throughout history, scholars and authors have defined old age as the phase of second childhood.

I kept wondering about this natural phenomenon of blurry eyesight. Are we naturally programmed for spiritual ascension through our ability to see? Should we be encouraging the blur of external sight and sharpen our internal sight?

It is noteworthy that an infant is always in its subconscious state of mind with a very poorly active conscious mind. They are often seen in the state of one point focus. They can stare at something continuously for long periods of time, oblivious of their surroundings as if they are in a meditative state with open eyes. It takes a really loud noise to startle them out of their focused attention.

Blurry vision does not allow many impressions to settle on the mind of a child. This diminished state of vision leaves their minds fresh as they do not have too many imprints to process through the day, and the result is that you see them happy, smiling and constantly in a state of bliss. Babies are found to have very few needs. Once nursed and cradled, the tiny tots can sleep for hours and gurgle happily in their sleep. In fact, watching an infant smile in their sleep is very therapeutic to an adult. It is noted that the babies grow in their sleep. That is, the subconscious living is accelerating both the mental and physical growth in them.

In the same way, is our deteriorating physical eyesight at the age of 40-60 years an indication that it is time for the mind to embrace lesser impressions upon it and focus on activating our inner vision instead?

I think on when I visited the places of residence of spiritually evolved souls - they had very few

V

tions as to who we are, who made us and what is the purpose behind our existence?

6. The faculties of hearing and seeing are bestowed to quench this curiosity. The act of seeing is being able to see things that exist.
7. Their inquisitiveness was met when God disclosed Himself. It created an awareness in the beings that they have a Maker. Therefore, every soul conceded that they are created by God and are His creations. This realisation stirred the faculty of sight, and every individual witnessed God.
8. God asked, “Am I not your lord?” The creatures saw and acknowledged, “Yes, You are our Lord.”

• • ———————— • •

Dear readers,

On a full-sized, white paper draw a circle as drawn in the ‘Message of the Day’, and fill it with as many triangles as possible. Once done, hang or place the paper at a distance of three feet. Then sitting up in a straight and correct posture, level your gaze onto the paper with focus, such that the batting of your eyelids is reduced to a minimum.

This practice will empower you to see images in the circle. Send the gist of your experiences to *Qalandar Shaoor Monthly*, along with the drawing.

May God Protect You.

thought also inspired?

We do not assess things through these perspectives. The faculties of hearing, sight, wisdom and speech are resources in the form of a thought. We exploit these resources but do not pause for a moment to reflect as to who the provider of these abundances is.

• • ——————————— • •

"And in yourselves. Can ye then not see." (Quran, 51:21)

The *zahir* (apparent) and the *batin* (concealed) are two sides of life and life is explained as movement. The act of deep thinking discloses that movement traverses from the inside to the outside. The attributes which proportion a man or other beings are created by the almighty God. That is, the senses were activated only when the creatures heard the voice of God.

However, out of His incalculable attributes, the ones He has disclosed upon human beings are encoded in the sound of '*Alastu bi-rabbikum*'. Every creation perceives through the faculties bestowed upon them by God, and there is no action that occurs outside of the provided faculties. It makes one think, why is it that despite the countless blessings conferred upon human beings by God, they do not turn to Him, even when He has proclaimed that, "I am closer to you than your jugular vein?"

• • ——————————— • •

Dear readers, once again, comprehend the points relayed in the 'Message of the Day'.

1. When God said, "كـن *Kun*!" the universe came into being. Here, the point of attention is the sound of ك+ن = كـن that caused the existence of the universe. Everything that God wanted emerged with the command of '*Kun*' – according to how much He desired to expose.
2. The journey from timelessness to time is the manifestation of *Ghaib al-Ghaib* (a non-dimensional program) into dimension.
3. The third step is when this program turned dynamic, it appeared.
4. Manifestations have many names. One of the stages in the process of manifestation is unawareness of oneself, where one questions who fashioned them into a figurine.
5. If the details of universe are not exhibited in an object, it remains incomplete. This void leads to the creation of units (different species and their further distinction into individuals) that prompt ques-

from this that all creatures including mankind are mere mediums.

• • ——————————— • •

A medium gives awareness of its source. No matter how different one man looks from another, one can always distinguish them as an individual from the genus of mankind. Contemplation also reveals that irrespective of distinct features, shapes or sizes, the needs of each individual are similar. Their activities, including their emotions and expressions are encased in the layer of consciousness. This phenomenon gives rise to a number of questions:

- Why are their needs similar when their countenance and features are different?
- What does it mean to have dissimilar features yet have the same needs?
- Does this not imply that the agency responsible for movement is one, but appears in many forms to sustain life?

The above questions can be comprehended with the example of electric powered toys. They look different, but the electricity that causes movement in them is uniform. You must read the following verse thrice, attentively:

> "He it is who fashioneth you in the wombs as pleaseth Him.
> There is no God save Him, the Almighty, the Wise." (Quran, 3:6)

• • ——————————— • •

The formation of the universe can be easily understood if contemplation begins from oneself.

- Life is driven by thoughts. No action can be fulfilled without it.
- A person cannot write if they do not receive a thought.
- They cannot speak, if words do not surface upon their mind.
- They cannot listen if sound does not convert into waves and strike their eardrums.
- The wisdom that words contain cannot be fathomed unless their meanings are inspired.
- Similarly, an individual is unable to see unless the image is reflected on the screen of their heart.

These aspects of life determine that everything hinges on thought. But what is thought? From where does it traverse to us? How does it function? What is the method that works behind the idea of accepting thoughts? And is it we who accept thoughts, or is the thought to accept a

A △ is used as a symbol for creatures and a ○ symbolises the act of encompassing. The creatures being encircled or encompassed shows that they are dependent on God, and are reliant on the provisions which He has created.

• • ——————————— • •

God has made the universe a medium for His cognition; it is a medium through which an object is connected to its source. The best of all the creators, God almighty says,

> "Lo! In the creation of the heavens and the earth and in the difference of night and day are tokens for *Ulil Albab**. Such as remember God, standing, sitting, and reclining, and consider the creation of the heavens and the earth, (and say): Our Lord! Thou createdst not this in vain. Glory be to Thee! Preserve us from the doom of Fire." (Quran, 3:190-191)

When we consider the universe a medium, it is ascribed to both its individualistic and collective traits. That is, the entity on one hand is a medium, and on the other hand is a universe in its entirety. As a child mirrors the attributes of their parents, in the same vein, every existence holds the traits of the universe, and the universe is a reflection of God's grace and power.

The Divine book, the Holy Quran says,

"Praise be to God, Lord of the Worlds."

The word 'worlds' in this verse is a telling word, which determines that the universe is a combination of countless biospheres. Every creature within these biospheres is different, and everyone in all sorts is unalike. As in the case of water, it has numerous traits; it can be salty, sweet, bitter, hard, soft, warm, cold, black, white, blue, green, from a well, or in a stream, river or sea – but irrespective of its traits, water remains water. Similarly, every sphere has a distinct trait, but its formation lies on the attributes of God.

The word 'worlds' indicates the infinite attributes of God. Such that, not only on this earth, but if all the trees and seas within every other world were pens and ink, the attributes of God would still remain uncountable.

*Alhamdu lillahi Rabbil aalameen* – is a compliment given to appreciate or admire work. So, praise be to God who sustains life and provides provisions to countless worlds, and to all the creatures within them. We can see

*People of understanding and wisdom

# Message of the Day

When God desired to make the creatures for His glory, He decreed, "Be!" and with this command emerged the universe along with the creations within it. The appearance of the universe in this manner alludes to the fact that it was present in the Will of God since eternity (or within timelessness). After the manifestation of the universe, God pronounced, "*Alastu birabbikum* (Am I not your lord?)." This enabled the senses in the beings which lead to the realisation of the Creator.

The manifestation of an object, in actuality, is the reflection formed inside the mind. This can be elucidated with the help of the following example.

When one writes on a piece of paper, the writing is a reflection of their memory in which the words are concealed. This shows us that the inscription on the paper is only a reproduction, as despite the words being poured out, the genuine script remains in the mind of the author. Words are not mere lines or sketches, but have concealed images and expressions within them. This is the reason that when a reader or listener contemplates them, the images encoded within the words are transmitted into their minds.

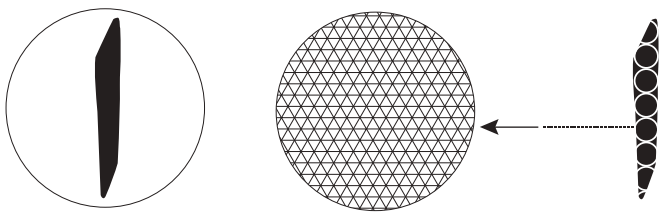

Contemplating the structure of alphabets reveals that every letter has a physiognomy. Let us consider the number one (1) as an example; If it is seen on a large screen, it is observed that 1 is not simply a straight line, but a combination of dots. Every dot is circular in shape, and contains numerous triangles within it.

When the combination of these dots forms the number 1, a big circle is formed with innumerable triangles inside of it. The given example shows how the entire universe is encapsulated in one.

# Contents


| | | |
|---|---|---|
| Message of the Day | K. S. Azeemi | 172 |
| Vision | Bibi Anuradha (UAE) | 167 |
| A Roll of Dice | Muhammad Mohsin | 163 |
| The Door to Blessings | Qurat al-Ain | 158 |
| Hazrat Luqman (PBUH) | Extracted | 151 |
| The Universe is Light | Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) | 146 |


"Love is a travel. All travellers whether they want or not are changed. No one can travel into love and remain the same."

-Hazrat Shams Tabrezi (RA)

Vol 7 Issue 6 | July 2019 | Shawwal Dhul Qadah—1440AH

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Monthly Karachi

# Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu—English)

Patron in chief

**Huzoor Qalandar Baba Auliya RA**

Chief Editor

**Khwaja Shams al-Din Azeemi**

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.70/- Per issue. Annual subscription Rs.950/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

**Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020**

# حکیم ایلوویرا شیمپو




## Repairs Damaged Hair

- نرم و ملائم چمک دار اور صحت مند بال
- خشکی کا خاتمہ

# روغن پرسیاوشان

جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ تیل




- گھنے، لمبے اور چمکدار بالوں کی نشوونما کے لئے
- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سر درد میں مفید ہے

**عظیمی میڈیکل اسٹور**

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔

فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

STUNNING.
TOYOTA
INTRODUCING THE
ELEGANTLY ADVANCED
Grande
facebook.com/Toyota.Hyderabad
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
A/41, S.I.T.E, Auto Bhan Road, Hyderabad, UAN # (022) 111 555 121
Fax: (022) 3885126 email: toyota.hyd@cyber.net.pk
web: www.toyota-hyderabad.com